جاسوسی دنیا نمبر 8

مصنوعی ناک

(دوسرا حصہ)

"اب میں بہت جلد یہ ملازمت چھوڑ دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"لیکن کیا تم مجھے چھوڑ سکو گے؟" فریدی نے پوچھا۔

"یہی تو سب سے بڑی مصیبت ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ چلتے چلتے تھک گیا تھا۔

"کیوں بھئی کیا واقعی پیدل ہی چلو گے۔" فریدی بولا۔

"ارادہ تو یہی تھا...... مگر خیر......!" حمید نے کہا اور خچر والے کے ہاتھ سے لگام لے کر خچر پر سوار ہو گیا۔

فریدی نے بھی اس کی تقلید کی۔

"فی الحال ہم لوگ ماتھر کے یہاں چلیں گے۔"

"ماتھر کون......!"

"یہاں کا ایس۔ پی جس نے ہمیں بلایا ہے۔"

دوسرا کبوتر

فریدی اور حمید رام گڈھ کے ایس۔ پی کے بنگلے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ایس۔ پی اُن سے کیس کی تفصیلات بیان کر رہا تھا۔

"بس یہ سمجھ لو کہ بلی کی موت کے بعد سے میری تحقیقات کی گاڑی ٹھپ ہو جاتی ہے۔" ایس پی بولا۔

"مرنے والے کی سوشل پوزیشن کیا تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نواب زادہ شاکر ایک انتہائی بااخلاق آدمی تھا اور سوسائٹی میں عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ تھا تو نوجوان ہی لیکن بوڑھوں سے زیادہ عقل مند تھا۔ غیر شادی شدہ تھا۔ وہ اپنا زیادہ تر وقت کبوتروں یا کتابوں پر صرف کرتا تھا۔ عجیب بات تھی کہ وہ گوشہ نشین ہوتے ہوئے بھی

انتہائی سوشل آدمی تھا۔ اس سے ملنے والے اُسے تنہائی پسند نہیں سمجھتے تھے، حالانکہ وہ سو فیصدی تنہائی پسند تھا۔ یہ اُس کے کردار کا ایک عجیب و غریب پہلو تھا۔ کسی نے آج تک اُسے کسی سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا کوئی دشمن ہی نہیں تھا۔"

"تھوڑا بہت عیاش تو ضرور رہا ہوگا۔" فریدی نے پوچھا۔

"میں نے اس کے متعلق کبھی کوئی ایسی بات نہیں سنی جس سے اس کا عیاش ہونا ثابت ہوتا اور یہاں کوئی ایسا رئیس نہیں جس کے رگ و ریشے سے میں واقف نہ ہوں۔"

"یہاں اُس کے ساتھ کون کون رہتا تھا۔"

"صرف چند نوکر...... اس کا کوئی عزیز قریب اُس کے ساتھ نہیں رہتا تھا۔"

"کوئی ایسا عزیز جو اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد کا مالک ہو سکے۔"

ایس پی کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں...... ایک صاحبہ ہیں...... نواب اختر الزماں کی بیوہ۔"

"مرنے والی سے اس کا رشتہ......!"

"چچازاد بہن۔"

"عمر......!"

"یہی کوئی چوبیس پچیس سال...... ایک سات آٹھ سال کی بچی بھی ہے۔"

"مرنے والے سے اس کے تعلقات کیسے تھے۔"

"اچھے ہی تھے...... ویسے کچھ زیادہ ربط و ضبط بھی نہ تھا۔"

"تم نے اُس سے اس کیس کے متعلق گفتگو ضرور کی ہوگی۔"

"ہاں وہ بہت مغموم تھی۔"

"میرا مطلب یہ نہیں...... تم نے اُس سے گفتگو کرنے کے بعد کیا نتیجہ اخذ کیا۔"

"یہی کہ اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"شبہ نہ کرنے کی وجہ۔"

"وہ ایک بہت ہی شریف عورت ہے۔"

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی۔ آخر تم اُسے شریف کس بناء پر سمجھتے ہو۔"

"اس کا اندازہ تو تم اسے دیکھ کر ہی لگا سکو گے۔"

"یعنی اس کا یہ مطلب کہ وہ صورت سے شریف معلوم ہوتی ہے۔"

"نہیں بھئی یہ بات نہیں۔" ایس پی زچ ہو کر بولا۔

"خیر اسے ہٹاؤ۔" فریدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اس کے خاص خاص دوستوں میں کوئی ایسا آدمی ہے جس پر شبہ کیا جا سکے۔"

"میں نے ہر ایک کو اچھی طرح ٹٹول کر دیکھ لیا ہے۔ اُن میں سے بھی کوئی ایسا نہیں جس پر شبہ کیا جا سکے۔" ایس۔ پی نے جواب دیا۔

"اس کے دوستوں میں کوئی کبوتر باز ہے۔"

"ہاں...... ہیں تو سہی ایک صاحب۔" ایس۔ پی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "صدیق احمد صاحب ریٹائرڈ جج۔"

"کیسے آدمی ہیں۔"

"اچھے آدمی ہیں۔"

"میں ذرا اس کبوتر اور اس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

ایس۔ پی نے کبوتر منگوایا جو ایک پنجرے میں بند تھا۔

"کبوتر تو اچھی نسل کا معلوم ہوتا ہے...... شیرازی ہے۔"

"میں کبوتروں کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔" ایس۔ پی بولا۔

حمید اس کے ناخن پر چڑھے ہوئے خول کو دیر تک دیکھتا رہا۔

"واقعی مجرم بڑا ذہین معلوم ہوتا ہے۔" فریدی بولا۔

"اس میں شک نہیں۔"

"اچھا تھوڑا سا سادہ کاغذ تو دو۔"

ایس پی نے میز پر سے پیڈ اٹھا دیا۔ فریدی لکھنے لگا۔

دس ہزار روپیہ انعام

"اس شخص کو دیا جائے گا، جو ہندوستان کے مشہور ڈاکو راحل کو مردہ یا زندہ لائے گا۔ ہم

یہاں اس کی تصویر چھاپ رہے ہیں تاکہ پبلک اس سے ہوشیار رہے۔ راہل ان لوگوں میں سے ہے جو ذرا ذرا سی بات پر قتل کر دیتا ہے۔ آج کل اس نے رام گڈھ میں اڈہ بنا رکھا ہے۔ پبلک کو ہوشیار رہنا چاہیے۔"

فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر اس تحریر کے ساتھ ایس۔پی کو دے دی۔

"یہ اشتہار جتنی جلد ممکن ہو سکے چھپوا کر بٹوا دو۔" فریدی نے کہا۔

ایس۔پی نے اُسے پڑھا اور حیرت آمیز نظروں سے فریدی کو دیکھنے لگا۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے کام کرنے کے طریقے دوسروں سے کچھ الگ واقع ہوئے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مگر میں حکام بالا کو اس کا کیا جواب دوں گا۔" ایس۔پی بولا۔

"کہہ دینا کہ اس میں ایک مصلحت پوشیدہ ہے۔"

"مگر یہ راہل ہے کیا بلا اور اس کیس سے اس کا کیا تعلق۔"

"ابھی میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔" فریدی نے کہا۔ "اور ہاں دیکھو! اس کے علاوہ زبانی افواہیں اڑانے کی کوشش کرو کہ نواب زادہ شاکر کی موت میں بھی اسی راہل کا ہاتھ ہے۔"

"بھئی میرے تو کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔" ایس۔پی بے بسی سے بولا۔

"فی الحال کچھ زیادہ سمجھنے کی کوشش مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "یہ اس کیس کی تفتیش کے سلسلے میں میرا پہلا قدم ہے۔"

ایس۔پی خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا تو اب ہم چلیں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے اختر الزماں کی بیوی اور صدیق احمد کے پتے بھی دو۔"

ایس۔پی نے ایک کاغذ پر دونوں کے پتے لکھ کر فریدی کو دے دیے۔

دلکشا کی طرف واپس جاتے وقت حمید نے فریدی سے کہا۔

"آخر یہ راہل والی بات کیا تھی۔"

"اتنے دن سے میرے ساتھ ہو مگر ابھی تک عقل نہ آئی۔" فریدی نے کہا۔ "ارے میاں صاحبزادے اگر یہ نہ کرتا تو جابر سے ہاتھ دھو لینے پڑتے۔ تم جانتے ہو کہ میں ہمیشہ مجرموں کو

دھوکے میں مبتلا کر کے کام کرتا ہوں۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جابر اس مرتبہ بھی دھوکہ کھا جائے گا۔" حمید نے کہا۔

"ضروری نہیں۔"

"پھر اس سے کیا فائدہ۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہوں۔" فریدی نے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بلا کا ذہین ہے لیکن شاید قابو میں آ ہی جائے۔"

"آپ کے لہجے میں مایوسی ہے۔" حمید بولا۔

"ہاں...... جابر کو پکڑنا آسان کام نہیں۔ یقین جانو میں خود کو اس کے سامنے طفل مکتب سمجھتا ہوں۔ بھیس بدلنے کے معاملے میں وہ تو اپنا جواب نہیں رکھتا۔"

"تب تو اللہ ہی مالک ہے۔" حمید نے کہا۔ "ہمیں اپنی جان کا بھی خطرہ ہے۔ معلوم نہیں وہ کب وار کر بیٹھے اور ہمیں اطلاع تک نہ ہو۔"

"خیر اس کی تو کچھ پروا نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "کیونکہ ایک سراغ رساں کو ہر وقت مرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"میں آپ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک خود کو سراغ رساں سمجھا ہی نہیں۔"

"نہیں تم بہت اچھے سراغ رساں ہو۔"

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"خیر...... ہاں...... کیوں نہ لگے ہاتھ صدیق احمد صاحب سے بھی ملتے چلیں۔" فریدی نے کہا۔

دلکشا جانے کے بجائے دونوں البرٹ روڈ کے چوراہے پر مشرق کی طرف مڑ گئے۔ صدیق احمد کا بنگلہ ایک پر فضا مقام پر واقع تھا۔ بنگلے کے سامنے ایک خوبصورت سا پائیں باغ تھا جس میں جا بجا کبوتر خانے بنے ہوئے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا وجیہہ آدمی سفید قمیض پہنے کھڑا ایک کبوتر کے پنجے دیکھ رہا تھا۔

"کیا جج صاحب تشریف رکھتے ہیں۔" فریدی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"اوں......!" کہہ کر وہ اس طرح چونکا کہ کبوتر ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا۔

وہ فریدی اور حمید کو سوالیہ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"ہم لوگ جج صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن کیوں ملنا چاہتے ہیں۔" وہ بارعب آواز میں بولا۔ پھر فوراً ہی سنبھل کر کہنے لگا۔ "فرمایئے۔"

"اوہ...... تو آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"خوشی تو مجھے بھی ہوئی۔ مگر آپ ہیں کون۔" صدیق احمد بادل ناخواستہ ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔

"مجھے احمد کمال کہتے ہیں۔" فریدی قدرے جھک کر بولا۔ "اور یہ ہیں میرے دوست حمید احمد...... ہم دونوں بغرض سیاحی آئے ہوئے ہیں۔"

"کیا مجھ سے کوئی کام ہے۔"

"جی نہیں...... بات یہ ہے کہ مجھے بھی کبوتروں سے تھوڑی بہت دلچسپی ہے۔"

"ضرور ہو گی۔" جج صاحب لاپروائی سے بولے۔

"میرے ایک دوست نے آپ کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کیا ہو گا......!"

"آپ کے یہاں شیرازی پاموز بکثرت ہیں۔" فریدی نے جالی کے بنے ہوئے کبوتر خانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... ہیں تو......!"

"اور میرا خیال ہے کہ ایسے پاموز شاید ہی یہاں کسی کے پاس ہوں۔"

"چاپلوسی بند۔" جج صاحب نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس برباد کرنے کے لئے فالتو وقت نہیں۔ میں اپنے ملنے والوں کو باقاعدہ وقت دیا کرتا ہوں۔"

"بہت بہتر......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تو پھر ہم لوگ کب حاضر ہوں۔"

"میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"کوئی ایسی جلدی نہیں.... ہم یہاں گرمیوں بھر قیام کریں گے۔"

"مجھے گرمیوں بھر فرصت نہیں رہے گی۔" جج صاحب جھنجلا کر بولے۔

"تو پھر ہمیں مجبوراً جاڑوں میں بھی یہیں قیام کرنا پڑے گا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"عجیب آدمی ہیں آپ۔"

"بہر حال...... میرے ایک دوست نے ایک صاحب کا پتہ اور دیا تھا غالباً اُن کے پاس آپ کے کبوتروں سے بہتر کبوتر ہیں۔" فریدی نے واپس ہونے کے لئے مڑتے ہوئے کہا۔

"کون صاحب ہیں وہ۔"

"نواب زادہ شاکر صاحب۔"

"شاکر......!" جج صاحب مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگ یہاں کب آئے ہیں۔"

"کل......!"

"اسی لئے شاکر سے ملنے جارہے ہیں۔" جج صاحب نے جیب سے ریوالور نکالتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں تم لوگوں کو اس کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"تم کیوں سمجھنے لگے...... سمجھو گے اس وقت جب ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوں گی۔"

"یعنی......!"

"چور کہیں کے۔" جج صاحب گرجے۔

"ذرا تمیز سے بات کیجئے۔" حمید آپے سے باہر ہو کر بولا۔

"خاموش رہو بھائی...... جج صاحب غصے میں معلوم ہوتے ہیں۔" فریدی حمید کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

"تم لوگوں کی دیدہ دلیری اور سینہ زوری تمہیں ہرگز نہ بچا سکے گی۔"

"میرے کاسنی پاموز کی مادہ جس کے سر پر سفید چوٹی ہے تمہیں لے گئے ہو اور اب شاید جوڑا پورا کرنا چاہتے ہو۔ اتنا یاد رکھو کہ میں پولیس کے حوالے کئے بغیر نہ مانوں گا۔" جج صاحب نے بدستور پستول تانے ہوئے کہا۔ "یا تو پھر اُسے واپس کردو۔"

فریدی نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا جو کھڑا پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"شاید آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں حمید...... جج صاحب بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کیا تم نے ابھی تھوڑی دیر قبل ایک سفید چوٹی دار کاسنی پاموز نہیں دیکھا تھا۔" فریدی نے حمید سے پھر کہا۔ پھر جج صاحب کی طرف دیکھ کر بولا۔ "لیکن جج صاحب مجھے افسوس ہے کہ اس وقت آپ کا وہ کبوتر سپرنٹنڈنٹ

پولیس مسٹر ماتھر کے پاس ہے۔"

"فضول بکواس کے لئے میری پاس وقت نہیں۔" جج صاحب گرج کر بولے۔ "میں کہتا ہوں سیدھی طرح بتادو...... ورنہ کیا فائدہ۔"

"اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو میرے ساتھ ان کے بنگلے تک چلئے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ایک چور مجھے ایس۔ پی کے بنگلے پر لے جا رہا ہے۔"

"آپ چل کو تو دیکھئے۔"

"خیر میں جھوٹے کو اس کے گھر تک پہنچانے کا عادی ہوں۔" جج صاحب نے کہہ کر نوکر کو آواز دی۔

"ڈرائیور سے کہنا کہ اسٹیشن ویگن تو نکالے۔"

جج صاحب نے فریدی اور حمید کو اسٹیشن ویگن میں بٹھایا۔ تین نوکر ساتھ لئے اور مسٹر ماتھر کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔

ماتھر صاحب شاید آفس جانے کے لئے تیار تھے۔ وہ برآمدے ہی میں تھے کہ یہ لوگ پہنچ گئے۔ فریدی اور حمید کو اس حالت میں دیکھ کر کہ جج صاحب ان کے پیچھے پیچھے ریوالور تانے چل رہے تھے ماتھر صاحب حیرت سے اچھل پڑے۔

"ارے اس کا کیا مطلب......!" ماتھر صاحب بولے۔

"یہ دونوں چور مجھے آپ کے پاس لائے ہیں۔" جج صاحب بولے۔

"چور......!" ماتھر صاحب کی حیرت اور بڑھ گئی۔

"ہاں......انہوں نے میرا ایک کبوتر چرایا ہے اور مجھے یہ کہہ کر یہاں لائے ہیں کہ وہ آپ کے پاس ہے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ماتھر صاحب بولے۔ "یہ دونوں میرے دوست ہیں۔"

"دوست......!" جج صاحب چونک کر بولے۔

"جی ہاں......یہ ہیں ملک کے نامور جاسوس انسپکٹر فریدی اور یہ ان کے اسسٹنٹ مسٹر حمید۔"

"ارے......!" جج صاحب اچھل پڑے۔ "تب تو بڑی غلطی ہوئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔ پھر ماتھر صاحب سے بولا۔ "ذرا وہ کبوتر تو منگوائیے۔"

کبوتر کا پنجرہ دیکھتے ہی جج صاحب اچھل پڑے۔

"یہی ہے بالکل یہی ہے۔" وہ بیساختہ بولے۔

"لیکن ابھی آپکی خوشی خوف میں تبدیل ہو جائے گی۔" فریدی نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"اس کبوتر کو ایک شخص کی جان لینے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔"

"ہائیں......!" جج صاحب اچھل کر بولے۔

فریدی نے شروع سے آخیر تک سارے واقعات بتانے شروع کئے۔

جج صاحب کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مجھے ان واقعات کا کوئی علم نہیں۔ رام گڈھ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ میں شروع سے ایماندارزندگی بسر کر رہا ہوں اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آخر اعلی موت سے مجھے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" جج صاحب نے کہا۔

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا اس کے اعزہ میں کوئی ایسا ہے جس کو اس کی موت سے کوئی فائدہ پہنچ سکے۔"

"ہے تو......!" جج صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے۔ "لیکن اس کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی کرنا کم از کم میرے امکان میں تو نہیں۔"

"کون ہے۔"

"اس کی چچازاد بہن...... نواب اختر الزماں کی بیوہ۔"

"تو اس پر شبہ نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔"

"یہ تو آپ اس سے مل کر ہی محسوس کر سکیں گے۔"

"خیر...... دیکھا جائے گا...... یہ بتائیے کہ یہ کبوتر آپ کو ملا کہاں سے تھا۔"

"میں نے ایک شخص سے پورا جوڑا خرید ا تھا۔"

"تو کیا دوسرا ابھی آپ کے پاس موجود ہے۔"

"جی ہاں۔"

"میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

جج صاحب نے یہ سنتے ہی نوکروں کو دوسرا کبوتر لانے کے لئے بھیج دیا۔

"وہ شخص کہاں رہتا ہے جس سے آپ نے کبوتر خریدے تھے۔" فریدی نے جج صاحب سے پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا...... وہ کبوتر لے کر میرے پاس آیا تھا...... کبوتر اتنے اچھے تھے کہ میں نے اس سے زیادہ بات چیت نہیں کی۔"

"اس کا حلیہ یاد ہے آپ کو۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں...... ایک ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ لیکن کافی توانا تندرست اور قد آور تھا۔ مفلوک الحال معلوم ہوتا تھا۔ لیکن انداز گفتگو سے پڑھا لکھا اور شریر معلوم ہوتا تھا گھنی مونچھیں اور فرنچ کٹ ڈاڑھی تھی اور ناک کے پاس ایک بڑا سا ابھرا ہوا تل تھا۔ بولنے میں کچھ ہکلاتا بھی تھا۔"

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ جج صاحب کے نوکر کبوتر لے کر آ گئے۔ فریدی نے جیب سے چمڑے کے دستانے نکالے اور انہیں پہن کر کبوتر کے پنجوں کا جائزہ لینے لگا۔

"اس کے پنجوں میں کچھ نہیں۔" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔

فریدی نے جج صاحب سے اور بھی بہتیرے سوالات کر ڈالے۔ لیکن وہ کسی خاص نتیجے پر نہیں پہنچ سکا، البتہ اتنا ضرور ہوا کہ اس نے جج صاحب کو بھی مشکوک لوگوں کی فہرست میں داخل کر لیا اور انہیں کبوتروں کے متعلق زبان بند رکھنے کی ہدایت کر کے رخصت کر دیا۔

جان پہچان والے

اسی دن شام کو فریدی اور حمید نواب اختر الزماں کی کوٹھی میں موجود تھے۔ خدمت گار نے ان کا استقبال کر کے انہیں ملاقاتی کمرے میں پہنچا دیا تھا اور اب وہ وہاں بیٹھے بیگم صاحب کی تشریف آوری کا انتظار کر رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ایک دروازے میں لٹکے ہوئے ریشمی پردے کو جنبش ہوئی اور ایک نازک اندام نوجوان عورت اُن کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی چمپئی رنگت پر ریشم کی سفید ساری

پیشرس

یہ ناول ایک چیلنج کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کا مرکزی کردار
جابر صرف ڈاکو نہیں ہے، بلیک میلر، خونی اور ساتھ ہی ساتھ ایک بڑا
مفکر اور سائنس داں بھی۔
قدم قدم پر آپ کو ایسی باتیں ملیں گی، کہ آپ کانپ کانپ
اٹھیں گے۔ ننگی لاشوں کا چھت سے ٹپکنا، پانچ ہزار کبوتروں کا خون۔
نواب رشید الزماں کی فریدی سے دشمنی اور پراسرار کنواں کا
عجیب و غریب بوڑھا "طارق" یہ سب آپ کو اسی ناول میں ملے گا۔ ایک
اور بڑے مزے دار آدمی کنور ظفر علی خاں جو ہمیشہ پر اسرار بنا رہا ہے۔
اور جابر کا انجام...... وہ کون تھا...... کیا کرتا تھا......
کیوں کرتا تھا؟ ان سب کا جواب مصنوعی ناک دے گی۔
اور آخر میں...... آپ کا ہر دلعزیز انسپکٹر فریدی اس بار آپ کو
بے انتہا مصائب میں گرفتار نظر آئے گا۔ غالباً یہ پہلی بار ہو گا کہ اتنے
زبردست سراغ رساں کو جابر لڑکوں کی طرح کھلاتا رہا ہے۔
اس ناول کے بعد بھی آپ کے خطوط کا انتظار رہے گا تاکہ
آئندہ ناول بھی اسی چیلنج کے ساتھ لکھ سکوں۔

ابن صفی

بہت زیادہ کھل رہی تھی۔ بڑی بڑی نشیلی آنکھیں باریک اور گہرے سیاہ ابروؤں کے نیچے جادو سا جگاتی معلوم ہو رہی تھیں۔ اوپری ہونٹ میں اوپر کی طرف ہلکا سا گھماؤ تھا۔ کانوں کی لوؤں کے قریب رخساروں کا سلگا سلگا سا اُبھار بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ابھی وہاں سے لذتوں کے سوتے اُبل پڑیں گے۔ دونوں اُسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

"تشریف رکھیے۔" اُس نے مترنم آواز میں کہا۔

فریدی اور حمید بیٹھ گئے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ وہ حد درجہ شرمیلی تھی۔ فریدی سے آنکھ ملتے ہی اس کے چہرے پر گہری سرخی دوڑ گئی تھی۔ وہ گفتگو کرتے وقت اپنی نظریں زیادہ تر نیچی ہی رکھتی تھی۔

"میں ایک بہت ہی غمناک واقعے کی یاد دلانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

عورت نے سر اٹھا کر سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں نواب زادہ صاحب کی افسوس ناک موت......!"

"تو کیا آپ اُن کے کوئی دوست ہیں۔" عورت بولی۔

"جی نہیں...... ہمارا تعلق محکمہ پولیس سے ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ میں کئی بار پولیس والوں کو بیان دے چکی ہوں۔" عورت کچھ ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

"آپ میرا مطلب غلط سمجھیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "میں آپ کو کسی قسم کی تکلیف دینے کے لئے حاضر نہیں ہوا۔ میں تو آپ سے ان کے چند نجی معاملات کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ بشرطیکہ آپ خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔"

"بھلا میں اُن کے نجی معاملات کے بارے میں کیا بتا سکوں گی۔"

"مجھے تو اطلاع ملی ہے کہ آپ اُن کی سگی چچازاد بہن ہیں۔"

"آپ کو صحیح اطلاع ملی ہے۔" عورت بولی۔ "اور میں بار بار اُن کے غم کو تازہ نہیں کرنا چاہتی۔" عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں واقعی آپ کو تکلیف دے رہا ہوں...... مگر کیا کروں مجبوری ہے۔"

"جو کچھ پوچھنا ہو پوچھیے...... اگر مجھے علم ہو گا تو ضرور جواب دینے کی کوشش کروں گی۔"

"کیا اس دوران میں مرحوم نے اپنی شادی کی کوشش کی تھی۔" فریدی نے پوچھا۔

عورت چونک پڑی۔

"شادی......!" وہ فریدی کو غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔"

"کیا آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار نہ تھے۔"

"اگر مجھے اس کا علم نہ ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میرے اور ان کے تعلقات خوشگوار نہیں تھے۔"

"اگر آپ کو اس سوال سے تکلیف پہنچی ہو تو معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"مجھے یہ خیال دراصل اس لئے پیدا ہوا کہ یہاں آپ کے علاوہ اُن کا اور قریبی عزیز نہیں تھا۔ ایسی صورت میں یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ انہوں نے آپ سے مشورہ لیا ہو۔"

"اگر اُن کا ایسا خیال تھا تو مجھے خود حیرت ہے۔ وہ مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔"

"مجھے باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہ اپنی شادی کی فکر میں تھے۔"

"ممکن ہے رہے ہوں۔"

"اور میرا ذاتی خیال ہے کہ انہوں نے خودکشی کی۔"

"خودکشی......!" عورت چونک کر بولی۔

"جی ہاں......!"

"مگر خودکشی کی وجہ۔"

"محبت میں ناکامی......!"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"جس لڑکی سے وہ شادی کرنا چاہتے تھے شائد اس نے انکار کر دیا تھا۔"

"اوہ......!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔

"مجھے سخت حیرت ہے کہ مجھے اس کی اطلاع نہ ہو سکی، ورنہ ان کی ہر ممکن مدد کرنے کی کوشش کرتی۔"

"یہ دل کا معاملہ ہے بیگم صاحب...... وہ لڑکی ان کے ساتھ شادی کرنا نہیں چاہتی تھی تو آپ بھی کیا کر سکتی تھیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" عورت بولی۔ "میں اس لڑکی کا نام اور پتہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے خود ابھی تک اس کا نام اور پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"تب تو یہ مجھے افواہ ہی معلوم ہوتی ہے۔" عورت بولی۔ "شاکر بھائی خودکشی نہیں کر سکتے اور وہ بھی ایک عورت کے لئے۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"اسی پر تو مجھے بھی حیرت ہے کیونکہ میں نے اُن کے متعلق سنا ہے کہ وہ ایک فلسفی قسم کے آدمی تھے۔" فریدی نے کہا اور اس کے بعد پھر خاموشی چھا گئی۔

"آپ کے علاوہ ان کا کوئی اور بھی قریبی عزیز ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب تو اُن کی جائیداد بھی......!"

"جی ہاں مجھے ہی ملے گی۔" عورت اس کی بات کاٹتی ہوئی بولی۔ "اور یہی سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید مجھ سے اتنی مرتبہ سوالات نہ کئے جاتے۔"

"آپ پھر میرا مطلب غلط سمجھیں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی ورنہ اس کا تعلق مجھ سے نہیں۔"

"کچھ آپ ہی پر منحصر نہیں.... بہتیرے یہی سمجھتے ہیں کہ میں نے اُن کی جائیداد کے لالچ میں انہیں زہر دلوا دیا ہے۔"

"میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکی ہوں کہ یہ خودکشی کا کیس ہے۔" فریدی جلدی سے بولا۔

"لیکن میں اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔"

"پھر آخر آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا خیال قائم کروں۔"

"اُن کا کوئی دشمن۔"

"وہ ایسے آدمی ہی نہیں تھے کہ کوئی ان کا دشمن ہو سکے۔"

"خیر بہر حال یہ خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"میں کافی سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ برآمدے میں کسی بھاری بھرکم قدموں کی آواز سنائی دی۔

"بیگم صاحبہ ہیں۔" کسی نے برآمدے میں پوچھا۔

اور پھر کمرے کے دروازے پر ایک قد آور صحت مند آدمی دکھائی دیا۔ چہرے کے خطوط کافی حد تک دلآویز تھے۔ باریک ترشی ہوئی گہری سیاہ مونچھیں اُس کے سرخ و سپید چہرے پر ایک دلکش اضافہ تھیں۔ اس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ رہی ہو گی، لیکن ظاہری صحت کے اعتبار سے وہ اصل عمر سے کچھ کم ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے سرمئی رنگ کے ہلکے سرج کا سوٹ پہن رکھا تھا، جو مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے نہایت موزوں تھا۔ بہرحال وہ لباس کے معاملے میں کافی خوش سلیقہ معلوم ہوتا تھا۔

عورت اُسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ فریدی اور حمید کو بھی اس کی تقلید کرنی پڑی۔

"آیئے آیئے...... کنور صاحب۔" عورت بولی۔

"آپ لوگ تشریف رکھئے۔" نو وارد نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

فریدی نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ دیدہ دانستہ ان کی طرف سے لاپروائی برتنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کچھ اور پوچھنا ہے آپ لوگوں کو۔" عورت بولی۔

فریدی اس کا مطلب سمجھ گیا۔

"جی نہیں.... تکلیف دہی کی ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگوں کی تعریف......!" نو وارد بولا۔

"پولیس سے تعلق رکھتے ہیں۔" عورت نے کہا۔

"اوہ......!" اس نے اس انداز میں کہا جیسے اس کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

حمید فریدی برآمدے میں نکل آئے۔ وہ پھاٹک کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک کار کمپاؤنڈ کے اندر داخل ہوئی۔ فریدی اور حمید ایک طرف ہو گئے۔

"ارے..... فریدی۔" کسی نے کار کے اندر سے کہا اور فریدی چلتے چلتے رک گیا۔

آواز کچھ جانی پہچانی سی تھی۔

"ارے آپ......!" فریدی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

کار سے نواب رشید الزماں اور غزالہ اتر رہے تھے۔

"آپ یہاں کہاں۔" غزالہ اپنی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"یہ بھی عجیب اتفاق ہے۔" فریدی نے کہا۔

"شاکر کی موت کی خبر سنی تھی، کیا بتاؤں بہت نیک لڑکا تھا۔ سعیدہ غزالہ کی سہیلی ہے۔ غزالہ نے مجبور کیا کہ ماتم پرسی کے لئے چلنا چاہئے۔ ویسے یوں بھی اس بار میرا ارادہ رام گڈھ آنے کا تھا۔ لیکن تم یہاں کیسے؟"

"شاکر کی موت کی بارے میں کچھ اطلاعات بہم پہنچانے آیا تھا۔" فریدی بولا۔

"تو کیا تم اس کام کے لئے خاص طور پر بلائے گئے ہو۔"

"جی نہیں......اپنے ایک دوست کے لئے کام کر رہا ہوں۔"

"کچھ پتہ چلا۔"

"جی نہیں......معاملہ بہت ٹیڑھا نظر آتا ہے۔"

"یہ بھی عجیب حادثہ ہوا ہے۔" غزالہ بولی۔

ابھی یہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ برآمدے میں سعیدہ کھڑی ہوئی دکھائی دی۔ پہلے تو وہ کچھ دیر تک انہیں گھورتی رہی پھر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اُن کے قریب آئی۔

"جناب والا......غالباً میرے مہمانوں کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔" وہ فریدی کو مخاطب کر کے تیز لہجے میں بولی۔

"ارے......ارے بھئی۔" نواب صاحب بولے۔ "یہ تو اپنا فریدی ہے۔"

"فریدی......کیا مطلب......!" سعیدہ چونک کر بولی۔

"احمد کمال فریدی......میرے ایک مرحوم دوست کی نشانی اور ایشیا کا مشہور ترین سراغ رساں۔"

سعیدہ تھوڑی دیر تک فریدی کو حیرت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی پھر دفعتاً سنبھل کر بولی۔

"مجھے اپنے رویہ پر ندامت ہے...... بھلا میں کیسے جان سکتی تھی کہ آپ کون ہیں جب کہ آپ لوگوں نے اپنا مکمل تعارف ہی نہیں کرایا تھا۔"

"کوئی بات نہیں......میں نے آپ سے شکایت تو کی نہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"غزالہ سے میں نے آپ کی کافی تعریف سنی ہے...... اور آپ واقعی میں بھی تعریف کے قابل ہیں۔" سعیدہ نے کہا۔

فریدی خاموش رہا۔ اس کی نظریں سعیدہ کی طرف برابر لگی رہیں۔ سعیدہ کے چہرے پر کسی قسم کے کوئی آثار نہ تھے۔ نواب رشید الزماں اس گہرے سکوت سے تنگ آکر بولے۔

"اچھا میاں اب تم جاؤ...... مگر شام کا کھانا ساتھ ہی رہے گا۔ کیوں بٹی سعیدہ۔"

"جی ہاں...... مجھے معلوم نہ تھا کہ فریدی صاحب اور آپ لوگوں کے تعلقات ایسے ہیں...... ورنہ میں خود ہی پیش قدمی کرتی۔" سعیدہ کے الفاظ میں خوشگواری اور مصنوعی اخلاق کے ملے جلے جذبات نمایاں تھے۔ مگر فریدی نے اُن کا کوئی اثر نہ لیا۔

برآمدے میں کنور صاحب کو دیکھ کر سعیدہ نے غزالہ سے کہا۔

"آؤ بہن چلیں...... اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

"تو پھر..... فریدی صاحب آپ ضرور آرہے ہیں۔" غزالہ نے مڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... فریدی صاحب تو ضرور آئیں گے...... یہ ہیچمدان نہ حاضر ہو سکے گا۔"

حمید نے کچھ اس طرح منہ بنا کر کہا کہ سعیدہ بھی بے اختیار ہنس پڑی۔ ہنستے ہنستے اس کی نگاہ کنور صاحب پر پڑی۔ وہ ٹھٹکی اور پھر تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ غزالہ کے ٹہوکے پر اس نے منمناتے ہوئے کہا۔ "ابھی بتاتی ہوں، مری کیوں جارہی ہے۔"

نواب رشید الزماں بھی برآمدے کے قریب آچکے تھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ فریدی اور حمید دروازے سے باہر جاچکے تھے۔

کنور ظفر علی خاں

ادھر اُدھر کی بات چیت کے بعد غزالہ پوچھ ہی بیٹھی۔

"مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ کنور صاحب کون ہیں۔ میرا جہاں تک خیال ہے اس سے پیشتر

میں نے کبھی ان کو تمہارے یہاں نہیں دیکھا اور نہ اختر بھائی کے دوستوں میں ایسے کوئی کنور صاحب تھے۔"

سعیدہ ستی رہی اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولی۔

"یہ تمہارے اُن کے بہت پرانے دوستوں میں سے ہیں۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اتنی جلد تم سے انہیں ملادوں۔ وہ کچھ جھکی آدمی ہیں۔ شائد تم ان سے مل کر خوش بھی نہ ہو سکو۔ شاکر بھائی مرحوم اور کنور صاحب سے ایک معمولی سی کتاب پر جھگڑا ہو گیا تھا۔"

آخری جملہ کہتے کہتے اُسے احساس ہوا جیسے وہ کوئی ایسی بات کہہ گئی ہو جو اُسے نہ کہنا چاہیے تھی۔

اپنے ساتھ غزالہ کو لئے ہوئے وہ بڑھی۔ نوکر سے معلوم ہوا کہ کنور صاحب اس کی آٹھ سالہ بچی ریحانہ کے ساتھ پائیں باغ میں کھیل رہے ہیں۔

غزالہ اور سعیدہ جب پائیں باغ میں پہنچیں...... کنور صاحب، ریحانہ کو گود میں اٹھائے ہوئے ناچ رہے تھے۔ انہوں نے بے شمار تتلیاں اور بھونرے پکڑ رکھے تھے اور اُن سب کو ڈورے سے باندھ رکھا تھا اور سب ڈوروں کا آخری سرا اُن کی گردن سے بندھا ہوا تھا۔ اُن کے ناچنے کے ساتھ ساتھ تتلیاں بھی ادھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔ معصوم ریحانہ اس کھیل سے بہت خوش تھی۔

سعیدہ اب تک خاموش تھی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "غزالہ...... آؤ تمہیں کنور صاحب سے ملادوں۔"

"ہاں کنور صاحب...... آپ سے ملئے۔ آپ میری عزیز ترین سہیلی غزالہ خانم اور آپ ہیں کنور ظفر علی خاں۔ اُن کے قدیم جگری دوست اور میرے بہت بڑے ہمدرد اور سہارا۔" کہتے کہتے اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔

کنور صاحب نے سعیدہ اور غزالہ کی طرف دیکھا اور قدرے خشک اور روکھے لہجے میں بولے۔ "چلئے گھر میں چل کر بیٹھیں۔ شام کو آپ کے کچھ مہمان بھی شاید آئیں گے۔"

شام کے کھانے پر حمید اور فریدی مدعو تھے۔ قاعدے کے مطابق انہیں رات سات بجے پہنچ جانا چاہئے تھا۔ مگر ساڑھے آٹھ ہو چکے تھے اور ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ مجبوراً نواب رشید الزماں نے سعیدہ سے کہا۔ "اب انتظار فضول ہے...... کھانا لگوادو...... خود اپنے ہاتھ سے مرغ پکایا تھا۔ مگر اُن سبھوں کی قسمت ہی میں نہ تھا۔ پھنس گئے کہیں۔"

کھانا میز پر لگا دیا گیا تھا۔ نواب رشید الزماں...... مرغ کی ٹانگ کاٹ کر علیحدہ ہی کرنا چاہتے تھے کہ جھناک کی آواز کے ساتھ کمرے کے سب بلب ٹوٹ کر زمین پر آرہے۔ ایک بلب نواب صاحب کی بے حد مرغوب ڈش شاہ پسند دال میں گرا اور گرم گرم دال ان کے چہرے پر پڑی۔

فائر کی پہلی چھ آوازوں کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے بالکل سناٹا ہو گیا۔ نواب صاحب نے دیکھا کہ دو شخصوں نے سعیدہ اور غزالہ کے منہ بند کر رکھے تھے اور انہیں اٹھائے لئے جا رہے تھے۔ وہ چیخے مگر چیخ نکلنے سے پہلے ہی اتنے زور کا وار اُن کے اوپر پڑا کہ وہ تیورا کر گر پڑے۔ ہلکی ہلکی دھندلی دھندلی شکلیں اُن کے سامنے سے گذریں۔ اُن میں سے ایک فریدی بھی تھا۔ اُن کا ہاتھ اٹھا اور پھر گر پڑا۔

کنور صاحب اس حادثہ کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ روشنی گل ہوتے ہی وہ بڑبڑا کر اٹھے اور قبل اس کے وہ کچھ کر سکیں ان کے سینہ پر پستول لگا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہیں سامنے والے آدمی نے کہا۔ "خبردار اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکالا...... چپ چاپ کھڑے رہو۔"

آواز انہیں کچھ مانوس سی معلوم ہوئی۔ انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ صبح والا انسپکٹر فریدی انہیں گھور رہا تھا۔

اتنے میں ان کے ساتھی نے آکر کہا۔ "استاد کام ہو گیا۔ اب چلنا چاہئے۔"

"اچھا...... کنور صاحب ایسے ہی کھڑے رہئے۔ اگر ذرا بھی جنبش ہوئی تو نہ صرف آپ ختم ہو جائیں گے بلکہ یہ لڑکی بھی اس دنیا میں نہ رہے گی۔" فریدی نے ریحانہ کی گردن پکڑ رکھی تھی۔ معصوم لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اُس کا بھولا چہرہ اس اندھیرے میں بھی روشن تھا۔ اُس آدمی نے آہستہ سے کہا۔ "کنور صاحب اپنی اندر کی جیب میں رکھا ہوا کاغذ مجھے دے دیجئے۔ نوابزادہ شاکر کی موت کے سلسلے میں یہ کاغذ خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر آپ یہ کاغذ مجھے دے دیں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ کیمیا بنانے والی کتاب نوابزادہ کی قبر سے نکال لاؤں گا۔ آپ غریب نوابزادہ کے قاتل ہیں۔ آپ نے اُن کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ کاغذ مجھے دے دیں یہ سب راز میرے سینے میں دفن رہیں گے۔"

"وہ کاغذ میرے پاس نہیں ہے۔" کنور صاحب نے ہکلا کر جواب دیا۔

"اچھی بات ہے...... میں خود ہی نکالے لیتا ہوں۔" وہ اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے بڑھا۔ کنور صاحب کی جیب سے ایک سنہری دستے کا چاقو ایک رومال اور ایک ربر کی پلی نکلی۔ کاغذ کا پتہ نہ تھا۔ مایوسی ظاہر کرتے ہوئے اس نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا۔ وہ غائب ہو گیا۔ اُس نے آخری بار کہا۔

"کنور صاحب...... نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی...... لیفٹیننٹ باقر آگئے ہیں۔ آپ کی سعیدہ ایک حبہ نہ پاسکے گی۔ خیر فی الحال وہ میرے ساتھ جارہی ہے۔ میرے اسسٹنٹ حمید نے اُسے پسند کرلیا ہے۔ آپ خود ہی سمجھ دار ہیں۔ مگر آگاہ کرنا فرض ہے۔ اگر میرا یا حمید کا نام کبھی آپ کی زبان پر آیا یا میرے آج کے واقعہ کا ذکر چھڑا...... تو کیمیا کی کتاب کی دفتی پر لکھی ہوئی عبارت عدالت میں پیش کردی جائیں گی اور خودکشی کا یہ کیس قتل کا مقدمہ بن جائے گا...... خدا حافظ۔"

وہ جا چکا تھا۔ کمرے میں اب بالکل سناٹا تھا۔ کنور صاحب نیم بے ہوشی کے عالم میں تھے۔ کافی دیر کے بعد انہوں نے ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس کا کہیں پتہ نہ تھا اور بھیانک پستول سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ ریحانہ بیہوش پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں اندھیرا بدستور تھا۔ انہوں نے نوکروں کو آوازیں دیں، مگر اُن میں سے کوئی نہ بولا۔ وہ دو قدم آگے بڑھے اور دھائیں.... ٹھٹھک کر کے انہوں نے دوسری طرف قدم بڑھایا اور پھر ویسی ہی آواز سنائی دی۔

"معلوم ہوتا ہے پٹاخے بچھا گئے ہیں۔" وہ بڑبڑائے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے کسی طرح وہ دروازے تک پہنچے۔ دروازہ اندر سے بند تھا...... چٹخنی کھول کر وہ باہر آئے۔ روشنی میں آتے ہی انہوں نے چیخ کر نوکروں کو بلایا۔ مگر کوئی نہ بولا...... تنگ آکر وہ اُن کے کمروں کی طرف گئے۔ ہر ایک میٹھی نیند کے مزے لے رہا تھا۔ لاکھ جگانے پر بھی وہ نہ جاگ سکے۔ مجبوراً انہیں نوکروں کا خیال ترک کرنا پڑا۔ اُن کا خیال تھا کہ غالباً کنکشن کاٹ دیا گیا ہے۔ پھر بھی انہوں نے برآمدے کا سوئچ دبایا برآمدے میں روشنی پھیل گئی۔ اسی روشنی کے سہارے وہ کمرے میں پھر آئے۔ نواب صاحب اور ریحانہ کو وہاں سے اٹھانے کے بعد انہوں نے فون اٹھایا۔

پولیس دفتر میں سب انسپکٹر نے پوچھا۔ "ہیلو کون ہے۔"

کنور صاحب نے کہا۔ "میں کنور ظفر علی خاں ہوں، اختر لاج سے بول رہا ہوں۔ فوراً آیئے ماتھر صاحب ہیں۔" جواب ملا۔ "نہیں......" "اچھا سنیئے اگر فریدی صاحب اور حمید صاحب ہوں

تو انہیں بھی لیتے آیئے گا۔"

مگر وہ لوگ سات بجے سے غائب ہیں۔"ہوں" کہہ کر انہوں نے فون رکھ دیا۔

پولیس انسپکٹر بمل مکرجی کے آنے تک کنور صاحب اپنی ذہنی الجھنوں پر قابو پا چکے تھے۔ وہ بار بار یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں انہوں نے دھوکا تو نہیں کھایا۔ مگر وہ شکل بالکل انسپکٹر فریدی کی تھی۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ انسپکٹر فریدی نہیں تھا تو آخر مجھے وہ منع کیوں کر گیا...... اگر فریدی نہ ہوتا تو...... وہ مجھے منع نہ کرتا...... وہ اگر فریدی تھا تو اس نے ایسا کیوں کیا......

انسپکٹر فریدی ایشیا کا مشہور اور ہر دلعزیز سراغ رساں اور...... لٹیرا......؟ یہ نہیں ہو سکتا۔"

آخر کار انہوں نے یہ طے کر لیا کہ وہ سب انسپکٹر کو یہ بتا دیں کہ اس شخص کی شکل بالکل فریدی سے ملتی تھی۔

مسٹر مکرجی کو پورا بیان لکھوانے کے بعد انہوں نے کہا۔"میں نے اُسے دیکھا تھا۔ اس کا حلیہ اور شباہت......" اُن کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ گولی چلنے کی آواز سنائی دی اور سامنے کی کارنس پر سے ایک کبوتر پھڑ پھڑا کر گرا اور مر گیا۔ کنور صاحب رک گئے۔ اُن کے لئے یہ خطرہ کا سگنل تھا۔

"ابھی تک وہ موجود ہے۔" دل ہی میں انہوں نے فریدی کو ایک موٹی سی گالی دی۔ سامنے تڑپ کر مرنے والے کبوتر میں انہیں خطرہ کی جھلک نظر آئی۔ انسپکٹر مکرجی گولی کی آواز ہی کے ساتھ سپاہی بھیج چکا تھا اور جب سپاہیوں نے آکر یہ رپورٹ دی کہ کوئی نہیں ہے تو انہوں نے سپاہی چاروں طرف پھیلا دیئے اور پھر کنور صاحب کی طرف مخاطب ہوئے۔"آپ بیان جاری رکھیں...... مگر ٹھہریئے...... یہ کبوتر......؟ مگر یہ پالتو نہیں جنگلی ہیں۔"

"جی ہاں...... ان کبوتروں کو "شگون" کے خیال سے رہنے دیا تھا۔" کنور صاحب بولے۔

انسپکٹر مکرجی نے پھر کہا۔"ہاں وہ بیان لکھا رہے تھے۔ اس آدمی کا حلیہ......!" انہوں نے قلم اٹھایا۔"جی وہ لمبا سا تندرست آدمی تھا۔ بھیانک اور ناک کے پاس ایک تل تھا۔" غیر شعوری طور پر کنور صاحب کے منہ سے نکل گیا۔

انسپکٹر نے بیان نوٹ کیا۔ حفاظت کے لئے سپاہی چھوڑ کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی واپسی کا یقین دلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

سفر

گرمیوں کا زمانہ تھا۔ میدانوں کے رہنے والے ذی حیثیت لوگ گرمی سے تنگ آ کر رام گڑھ کی شاداب پہاڑیوں میں پناہ ڈھونڈنے جا رہے تھے۔ ان میں غیر ملکی سیاح بھی تھے، جنہیں رام گڑھ کے آثار قدیمہ دیکھنے کی خواہش کھینچ لائی تھی۔

اس وقت پہاڑیوں کے پیچ و خم کھائے ہوئے اونچے نیچے راستوں پر ٹٹوؤں اور خچروں کی قطاریں آہستہ آہستہ رینگتی ہوئی نظر آ رہی تھیں، حالانکہ یہاں بس سروس بھی ہے، لیکن بیشتر مسافر محض مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونے کے لئے ٹٹوؤں یا خچروں پر سفر کرتے ہیں، لیکن فریدی کے متعلق یہ وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے تفریحاً یہ راستہ اختیار کیا تھا یا پھر حمید کو تنگ کرنا مقصود تھا۔ وہ راستہ بھر اس کی جھلاہٹوں سے لطف اندوز ہوتا آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسے بات بات پر چھیڑ رہا تھا۔ ایک جگہ چلتے چلتے دفعتاً حمید کے خچر نے ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ حمید گھبرا کر کود پڑا۔ فریدی کو بھی اپنا خچر روک دینا پڑا۔

"ارے ارے یہ کیا بھئی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"جی کچھ نہیں بیچارہ تھک گیا ہے۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اب یہ مجھ پر سوار ہو کر بقیہ راستہ طے کرے گا۔ میں کہتا ہوں آخر...... آپ کو یہ سوجھی کیا تھی۔"

"بھئی میں نے محض تمہاری تفریح کی خاطر یہ دردسری مول لی تھی، ورنہ مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا تھا۔"

"تفریح...... جہنم میں گئی تفریح۔" حمید نے خچر کی لگام پکڑ کر پیدل چلتے ہوئے کہا۔

مصنوعی بیوی

سعیدہ کے گھر سے واپسی پر ہی حمید کے پیٹ میں چوہے کودنے لگے تھے کہ آخر وہ کنور صاحب کون تھے؟ سعیدہ کی اکھڑی اکھڑی گفتگو نے اُسے یقین کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ بہر حال شاکر کے قتل میں کہیں نہ کہیں سعیدہ کا ہاتھ ضرور ہے، اس کے باوجود بھی اس کے ذہن میں سعیدہ کی تصویر ناچنے لگتی تھی، مگر پھر بھی اس میں بے پناہ جنسی کشش تھی۔ اس کے کان کی لویں...... اس کے تمتماتے ہوئے رخسار...... اور سب سے بڑھ کر سڈول کندنی کلائیاں...... وہ گم ہو گیا۔ خاموشی سے اکتا کر اس نے فریدی سے پوچھا۔ "سعیدہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"غنیمت بھی ہمارے لئے......!" فریدی طنزیہ بولا۔

"نہیں...... نہیں...... کس نچر کے پٹھے کا خیال بھی اس طرف گیا ہو۔ میں تو شاکر کے قتل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" حمید کچھ جھینپتے ہوئے بولا۔

"تم نے کچھ کچھ تو ٹھیک ہی سوچا ہے...... بہر حال شاکر کے گھر چل رہے ہیں، شاید ذرا کام کی بات نکل آئے۔"

شاکر کی کوٹھی پر پولیس کا سخت پہرہ تھا۔ پوچھ گچھ پر معلوم ہوا کہ کوئی صاحب لیفٹیننٹ باقر تشریف لائے تھے اور اپنے کو سوتیلا بھائی بتا گئے ہیں۔ آج رات میں وہ بمبئی جا رہے ہیں اور پرسوں تک واپس آجائیں گے۔ عدالت سے وہ حکم امتناعی شاکر کی وراثت کے سلسلے میں نکلوا چکے ہیں۔ اس کی اطلاع شاید سعیدہ خاتون کو مل چکی ہوگی۔

اتنی باتیں جاننے کے بعد فریدی گھر میں داخل ہوا۔ لائبریری میں دو ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ ان میں سے تھوڑی سی تعداد انگریزی اور اردو کے شعراء پر مشتمل تھی، بقیہ علم

الحیوانات، نباتات جمادات، کیمیا، سیمیا، فلسفہ قدیم و جدید پر کتابیں مشتمل تھیں۔ کبوتروں کی پہچان، کبوتروں کے فوائد پر ایک بڑا سا قلمی نسخہ تھا۔ کتابیں کچھ جرمن، کچھ فرنچ کچھ لاطینی زبان میں تھیں۔ سامنے ایک بڑا سا سیف تھا میز پر روح اور اس کی ماہیت کے عنوان سے ایک کتاب پڑی تھی۔ کتاب کی جلد پر "کنور ظفر علی خاں" کا نام درج تھا۔ اندر کا ایک صفحہ پھٹا ہوا تھا۔

فریدی چونکا اور چشم زدن میں وہ اس کی جیب کے اندر تھا۔ حمید خاموشی سے اپنے استاد کا طریق کار دیکھ رہا تھا۔ اُسے الجھن ہو رہی تھی کہ آخر اس الٹ پلٹ کا مطلب کیا ہے اور اس سے کیا نتیجہ بر آمد ہو سکتا ہے۔

فریدی سے جھلا کر اس نے کہا۔ "میرے خیال میں یہ کتابیں خونی ہیں۔"

"اوں...... ہوں...... ہاں بالکل ٹھیک کہتے ہو۔" فریدی نے اپنی الٹ پلٹ جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...... دیکھیے...... اس موٹی سی کتاب نے اپنے پنجوں سے شاکر کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ مر گیا...... مگر...... مگر...... یہ کیا......!" جھلاہٹ میں ایک موٹی سی کتاب اٹھاتے ہوئے حمید نے یہ جملے کہے تھے۔ مگر وہ کتاب بالکل سادی تھی۔ البتہ بیچ بیچ میں قلمی خاکے اور تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ایک جگہ خونی پنجہ تھا اور اس کے نیچے کچھ لکھا ہوا تھا، جسے حمید نہ پڑھ سکا۔ اس نے کتاب اٹھاتے ہوئے فریدی سے کہا۔ "یہ بھوت خانے کا نادر نسخہ دیکھیے......"

فریدی اُسے دیکھتے ہی مبہوت رہ گیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے اُسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ چیخا۔ "حمید فوراً آؤ۔"

"میں نہیں آتا......!" بھاگتے ہوئے فریدی کے پیچھے اس نے دوڑتے ہوئے کہا۔

فریدی باہر نکلا۔ اس نے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ کسی شخص کو اندر نہ گھسنے دیا جائے اور پھر تیزی سے پیدل اسٹیشن کی طرف بھاگنے لگا۔

اس تمام کھوج اور تفتیش میں رات کے دس بج چکے تھے۔ کافی رات ہو جانے کی وجہ سے رام گڈھ کا پہاڑی علاقہ سنسان پڑا تھا۔ سڑک پر سوائے حمید اور فریدی کے دوڑنے کی اور کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اچانک اُن کی رفتار سست ہو گئی۔ سامنے دونوں طرف کے درختوں سے ملا کر رسی باندھ دی گئی تھی۔ کنارے سے بچ کر فریدی نکلا اور ہانپتے ہوئے حمید سے بولا۔

"دشمن کو منہ کی کھانا پڑی...... خدا کے لئے تیز چلو...... اگر بمبئی ایکسپریس چھوٹ گئی تو مصیبت ہی آجائے گی۔"

"دونوں تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ سٹیشن صرف آدھا میل رہ گیا۔ فریدی نے سڑک کے کنارے سے لگے ہوئے کھمبے کی روشنی میں دیکھا۔ گھڑی میں گیارہ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ ایکسپریس گیارہ بج کر پانچ منٹ پر چھوٹتی تھی۔ اس نے رفتار تھوڑی دھیمی کر دی۔ حمید بیچارہ ہانپ گیا تھا۔ اس کے قدم جواب دے رہے تھے کہ یکایک اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ بیٹھ گیا اور چیخا۔

فریدی مڑا...... قدرتاً احتیاط پسند ہونے کی وجہ سے وہ بیچ سڑک پر تھا تاکہ درختوں کی اوٹ یا سہارا لے کر اس پر حملہ نہ کیا جا سکے۔ حمید اس کا خیال نہ کر سکا۔ سڑک کے کنارے ایک درخت کی ڈال سے چارپائی باندھ دی گئی تھی اور چارپائی سے دو انسانی صورتیں بندھی ہوئی تھیں۔

فریدی نے ٹارچ روشن کر لی۔

"اُفوہ......!" اس کے منہ سے نکلا اور اس نے حمید سے کہا۔ "میں انہیں اتارتا ہوں ...... تم ٹھہرو۔"

چارپائی ایک جھولے کی طرح لٹکا دی گئی تھی اور سعیدہ و غزالہ دونوں اس چارپائی پر رسیوں سے باندھ دی گئی تھیں۔ اتارنے کے بعد اس نے کوشش کی کہ انہیں ہوش آجائے، مگر انہیں بُری طرح بے ہوش کیا گیا تھا۔ گیارہ بج چکے تھے۔ فریدی نے غزالہ اور حمید نے سعیدہ کو لادا اور چلنا شروع کیا۔ وہ دوڑ ختم ہو چکی تھی۔ سعیدہ حمید کے اوپر لدی ہوئی تھی۔ اس کا بس چلتا تو وہ سعیدہ کو پٹخ دیتا مگر فریدی...... دبے لہجے میں اس نے پھر پوچھا۔ "یہ کیا قصہ ہے۔"

"ٹرین میں بتاؤں گا...... یہ سمجھ لو...... ابھی تک ہم بازی نہیں ہارے۔"

اسٹیشن کی عمارت نظر آنے لگی تھی۔ گاڑی کا ابھی پتہ نہیں تھا۔ مگر سگنل گر چکا تھا......

فریدی نے خوش ہو کر حمید سے کہا۔ "ہم جیت گئے۔ پانچ منٹ بعد دشمن ہمارے ہاتھ میں ہو گا۔"

"ٹھہرو...... پہلے مجھ سے فیصلہ کر لو۔" ایک بارعب اور گرجدار آواز سنائی دی۔

فریدی نے دیکھا...... بغل سے کنور ظفر علی خاں پستول لئے...... چلے آرہے تھے۔

اُن کا چہرہ غصہ سے لال بھبوکا ہو رہا تھا۔ انہوں نے پھر کہا۔ "انہیں رکھ دو۔"

حمید نے چاہا کہ کم از کم فریدی کی طرف گردن گھما کر دیکھ سکے...... مگر کنور صاحب نے دیکھ لیا۔

"تم سب بدمعاش ہو...... میں آج تمہیں شوٹ کر دوں گا...... فریدی صاحب..... اب وہ لڑکی کہاں گئی۔"

فریدی خاموشی سے کنور صاحب کی طرف دیکھتا رہا۔ "بدمعاش۔" کا لفظ سنتے ہی حمید نے جھلا کر چاہا کہ بڑھ کر کنور صاحب کا گلا گھونٹ دے مگر کنور صاحب نے ارادہ بھانپتے ہوئے کہا۔

"ذرا سی حرکت ہوئی تو فریدی اس دنیا میں نہ ہوں گے۔"

"پھر اس نے فریدی کو مخاطب کیا اور کہا۔ "ہاں فریدی صاحب...... تو کل آپ پولیس سے کہہ دیں گے کہ شاکر کا قاتل میں ہوں۔ آپ میری وہ تحریر بھی پیش کر دیں گے، جس میں اُسے دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ کتاب مجھے نہ دے گا تو میں اُسے مار ڈالوں گا......؟ لیکن قبل اس کے کہ آپ کچھ کہہ سکیں میں آپ کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دوں گا۔"

اچانک گاڑی کی سیٹی سنائی دی۔ اپنی پوری گھڑ گھڑاہٹ اور شور کے ساتھ گاڑی آ رہی تھی۔ ریل کی پٹریاں دور سے چمکتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔

فریدی کے منہ سے ایک خوفناک آواز نکلی اور کنور صاحب بے ساختہ پیچھے ہٹ گئے۔ آنکھ جھپکتے ہی پستول فریدی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے میرا بہت وقت ضائع کیا...... ان لڑکیوں کو لے جایئے۔ آپ کسی بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ حمید جلدی کرو" کہتے ہوئے فریدی نے پھر دوڑنا شروع کر دیا۔ اسٹیشن کے سیدھے دروازے کی بجائے اب اس کا رخ ریلوے لائن کی طرف تھا...... گاڑی نے پلیٹ فارم سے حرکت کی۔ ریلوے لائن اور فریدی میں صرف پچاس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

گاڑی پلیٹ فارم چھوڑ چکی تھی...... فاصلہ دس گز...... گاڑی اپنی متوسط رفتار پر تھی...... فاصلہ پانچ گز...... گاڑی فریدی کے بغل سے گذر رہی تھی۔ یک بیک وہ اچھلا اور سامنے سے گذرنے والے اندھیرے ڈبے کے پائیدان پر کھڑا ہو گیا۔ حمید سے اس نے چیخ کر کہا۔

"فوراً کسی ڈبہ میں گھس جاؤ......" اور خود اسی ڈبہ میں کود پڑا۔

حمید جس ڈبہ پر کھڑا تھا اس کی چٹخنیاں اندر سے بند تھیں۔ اس نے گردن اٹھا کر

دیکھا...... ڈبہ کے اوپر بنی ہوئی دو لکیریں ظاہر کر رہی تھیں کہ یہ دوسرا درجہ ہے۔ اس نے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ سامنے پل آ رہا تھا اور دریائے گھاگھرا کے کنارے کراروں کے ٹوٹنے کی پر شور آوازوں کا زور بڑھتا جا رہا تھا۔ بھیانک سنسان رات.... اُسے ڈر محسوس ہونے لگا۔ فریدی کے اوپر اُسے غصہ آ رہا تھا۔ خود تو مزے سے ہوں گے...... میری بھلا انہیں کیا پرواہ؟ عجیب سنکی آدمی ہے...... دوڑا ڈالا...... بیٹھے بٹھائے مصیبت...... بلا وجہ......"

جھلاہٹ میں اس نے کھڑکی پر اتنے مکے برسائے کہ کھڑکی کا ایک خانہ ٹوٹ گیا۔ اندر سے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی اور کسی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ ڈبہ میں داخل ہو کر اس نے دیکھا...... صرف چار برتھ تھیں۔

ایک طرف ایک موٹی سی عورت جس کی عمر بیس سال سے زائد نہ رہی ہو گی لیٹی ہوئی تھی۔ سامنے ایک صاحب سو رہے تھے۔ ان کے اوپر والی برتھ پر سر سے پیر تک چادر تانے کوئی پڑا تھا۔

البتہ عورت کی اوپری برتھ خالی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں اندھیرا تھا۔ مگر لیوٹری کے اندر کی مدھم روشنی غالباً اسی خیال سے گل نہیں کی گئی تھی کہ اندھیرا نہ رہے۔ حمید نے چاروں طرف دیکھا اور اوپر والی برتھ پر چڑھ گیا۔ تمام راستہ کی تھکان دوڑ اور محنت نے سیکنڈ کلاس کے گدے پر نیند کو آواز دی اور وہ سو گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دن اچھا خاصا نکل آیا تھا...... گاڑی وندھیاچل کی خوبصورت پہاڑی سلسلے کے درمیان سے گذر رہی تھی۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ وہ عورت اٹھ چکی تھی۔ رات کی اتنی موٹی سی عورت نے نظر اٹھائی اور اُسے مسکراتے دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس پڑی اور عجیب انداز میں بولی۔ "اب نیچے آؤ نا......؟" حمید کو بھلا کہاں برداشت......؟ اتنی مدت کے بعد ایک شکار ملا تھا؟ کیا وہ اسے بھی چھوڑ دے گا۔ وہ فوراً کود پڑا۔

جیسے ہی اس نے چاہا کہ بیٹھے...... عورت نے کہا۔ "نا...... نا...... پہلے منہ دھو کر چائے پی لو تب پھر باتیں کرنا۔" حمید اس کی اس بے تکلفی پر کچھ کھٹکا۔ مگر سامنے بیٹھے ہوئے بنگالی کو مسکراتے دیکھ کر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی مسکراہٹ کہہ رہی ہو۔ "کیوں بے چغد ڈر گیا نا آخر...... بدھو...... ڈرپوک" اور وہ جھٹ سے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ منہ دھو کر جب وہ

باہر نکلا...... عورت تھرماس میں سے چائے نکال رہی تھی۔ رس بھری کی جیلی اور توسٹ ایک طشتری میں رکھے ہوئے تھے۔ بھنے ہوئے آلوؤں کے قتلے دوسری طشتری میں ایک پلیٹ میں سیب کی کچھ قاشیں اور انگور کے دانے پڑے تھے۔ حمید کے منہ میں پانی بھر آیا۔ شام کو لائبریری میں دو ابلے ہوئے انڈوں اور ایک پیالی چائے کے علاوہ اُسے کچھ نہ مل سکا تھا۔ بیٹھ کر اس نے کھاتے ہوئے کہا کہ۔

"آپ کہاں سے......!"

لیکن جملہ پورا ہونے سے قبل ہی ٹکٹ چیکر کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ٹکٹ پلیز......!" وہ ٹکٹ نہ لے سکا تھا۔ سوائے چارج دینے کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ پھر جب چارج ہی دینا ہے تو جلدی کیا ہے۔ کھا کر دے دیں گے، اس نے سوچا اور ٹی ٹی سے کہا۔ "ابھی دیتا ہوں۔"

عورت کی طرف بڑھ کر جب چیکر نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے حمید کی طرف اشارہ کر دیا، جسے حمید نہ دیکھ سکا۔ خوب پیٹ بھر کھانے کے بعد اس نے ٹی ٹی سے کہا۔ "پچھلے جنکشن سے چارج کر لیجئے۔ جلدی میں ٹکٹ نہ خرید سکا۔" چارج شیٹ بنانے کے بعد ٹی ٹی نے کہا۔ "ایک سو سرسٹھ روپے بارہ آنے۔"

"کتنے......!" حمید نے اچھل کر کہا۔ "ذرا دیکھوں کہاں سے چارج کر رہے ہیں آپ...!"

"جی...... جبلپور سے...... دو آدمی...... سیکنڈ کلاس......!" ٹی ٹی بولا۔

"دو کون......!" حمید غرایا۔

"آپ اور آپ کی...... یعنی کون ہیں یہ آپ کی......!" ٹی ٹی نے کہا۔

"دھرم پتنی......" عورت کچھ جھینپتے ہوئے بولی۔ پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔ "ارے ٹی ٹی صاحب کو پان پتہ کے لئے کچھ دے دو...... اتنا نہ لیں گے۔"

حمید کو جیسے ہزاروں بچھوؤں نے ڈنک مار دیا۔ بٹوے میں صرف ایک سو پانچ روپے اور زبردستی کی بلا الگ سر پر۔

اُس نے بپھرتے ہوئے کہا۔ "یہ عورت جھوٹی ہے...... میرا اس سے کوئی ناطہ نہیں۔"

بنگالی بابو جوش میں کھڑے ہو گئے۔ "شرم نہیں آتا...... اپنی استری چھوڑتا ہے......

بچی تھو......!"

اوپر والا آدمی وہیں سے لیٹے لیٹے بولا۔ "اگر بیوی نہیں تو پھر کون ہے...... ابھی تو ساتھ بیٹھ کر کھا رہا تھا...... کہتا ہے کوئی ناطہ نہیں...... چار سو بیس۔" گاڑی اب اسٹیشن پر پہنچ رہی تھی۔ ٹی ٹی نے ڈانٹ کر عورت سے پوچھا۔ "سچ سچ بتا تیرا یہ کون ہے۔"

"ہائے...... ہائے...... ٹی ٹی صاحب...... میرے پتی ہیں۔ پرسوں ہمارا......!" وہ کچھ روتے ہوئے بولی۔ "تو میرے پیر دیکھ لو۔" اس کے رنگے ہوئے پیر اور چاندی کے چھلے گواہی دے رہے تھے کہ ابھی ابھی اس کی شادی ہوئی ہے۔

اس نے پھر حمید کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ "روپے کے ڈر سے کنگن بھی چھپا دیے۔"

"ہاں...... ہائے میری تقدیر پھوٹ گئے۔" کہتے ہوئے اس نے زور زور سے چلا کر رونا شروع کر دیا۔ گاڑی اسٹیشن پر کھڑی ہو گئی تھی۔ اچھی خاصی ایک بھیڑ جمع ہو چکی تھی۔ حمید کی جان عجب مخمصے میں تھی...... اس کی تلاشی پر جیب سے ایک بٹوہ جس میں ایک سو پانچ روپے ایک کنگنا اور چار پانچ وزیٹنگ کارڈ ملے جس پر لکھا تھا۔ "دھرم داس بی اے کمرشل آرٹسٹ" عورت سے جب نام پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ "میں ان کا نام نہیں لے سکتی۔" بڑی مشکل سے اس نے ایک پرچے پر وہی نام لکھ دیا جس نام کے وزیٹنگ کارڈز تھے۔ حمید چکرا گیا تھا۔ چاروں طرف سے لوگ ٹوٹے پڑ رہے تھے اور اُسے لعنت ملامت کر رہے تھے۔ حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈ رہی تھیں، اس نے کئی بہانے کر کے سپاہیوں کے ساتھ ٹرین کے کئی چکر لگا ڈالے مگر فریدی نہ ملا۔ ادھر ٹرین نے سیٹی دی، حمید نے لاکھ چاہا کہ اُسے پھر گاڑی میں بیٹھنے دیا جائے، مگر ٹکٹ چیکر کسی حالت میں نہ مانا...... وہ بار بار کہے جا رہا تھا......، پورا چارج دیجیے...... اور بیٹھیے۔"

گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ حمید نے آخری بار کوشش کی کہ وہ بیٹھ سکے مگر ناکام رہا اور گاڑی روانہ ہو گئی۔ مجمع چھٹ چکا تھا اور وہ عورت غائب تھی۔

اس نے مڑ کر ٹی ٹی سے کہا۔ "چارج لیجیے...... مگر وہ میری بیوی ڈھونڈ لائیے۔"

ٹی ٹی حیرت زدہ رہ گیا۔ ابھی ایک سیکنڈ پہلے وہ اس کی نرم نرم ہتھیلیوں سے لطف اندوز ہوتا حمید سے بحث میں الجھا ہوا تھا...... "وہ عورت کہاں گئی۔"

شرمندہ ہو کر اس نے حمید سے کہا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی۔"

حمید نے جیب سے اپنا کارڈ جب نکالنا چاہا تو وہ غائب تھا۔

ایک کاغذ پر البتہ لکھا ہوا تھا۔ "پہلی اور ہلکی سی چوٹ اپنے حمید کے لئے...... استاد کی بھی خبر لینا۔"

حمید بوکھلا گیا تھا، جیسے خواب کی لہریں...... سینما کی تصویریں یا پوری ریل گاڑی اس کے سر سے گذر گئی ہو۔ وہ سر تھام کر بیٹھ گیا...... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے کہ اتنے میں اسی ٹکٹ چیکر نے اُسے آکر کہا۔ "آپ کا ٹرنک کال آیا ہے حمید صاحب۔" اس نے ریسیور سے سنا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔ "رام گڈھ لوٹ آؤ۔"

لیفٹیننٹ باقر

دوسرے روز صبح چائے پر باتیں کرتے ہوئے فریدی نے کہا۔

"حمید میاں! میں نے زندگی میں کبھی ہار نہیں مانی...... مگر میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اس کے سامنے طفلِ مکتب ہوں...... غضب کا دماغ ہے ظالم کا۔"

کہتے کہتے فریدی ٹھہر گیا۔ حمید واقعات جاننے کے لئے بے تاب تھا، اس نے منہ کھولا ہی تھا کہ فریدی نے اشارے سے روک دیا اور کہنا شروع کیا۔

"مجھے پورا یقین تھا کہ شاکر کے کیس میں جابر کا ہاتھ ہے۔ اس روز صبح کی ڈاک سے مجھے اطلاع ملی تھی کہ سیٹھ کنول چھیدی لال بمبئی کے مشہور تاجر کے یہاں ڈاکے کا نوٹس مل چکا تھا۔ ادھر نواب زادہ شاکر کی جائیداد کے ایک وارث اور کھڑے ہو چکے تھے۔ وہ بھی اس گاڑی سے بمبئی جا رہے تھے۔ جابر کی یہ ترکیب میری سمجھ میں آ گئی۔ میں نے بمبئی پولیس کو تار دے دیا تھا کہ وہ لوگ اسٹیشن پر موجود رہیں اور میرے ساتھ جسے دیکھیں گرفتار کرلیں۔ یا راستہ ہی میں کہیں اُسے دھر لینا۔ صرف اس لئے کہ میرے کام میں رکاوٹ ہو اور کنور صاحب میرے دشمن ہو جائیں۔

اس نے میرا بھیس بھرا...... دوسری طرف اُسے یقین ہو گیا تھا کہ میں ضرور اس کا پیچھا کروں گا۔ موٹر کا راستہ روکنے کے لئے اس نے ٹائم سوئچ بم لگائے اور راستہ میں رسیاں باندھ کر دیر کراوی...... اور جب اس میں ناکام رہا تو اتفاقات نے ہمیں کنور صاحب کی نظر میں گرادیا۔ اس طرح راستہ میں روڑے اٹکاتا...... وہ لیفٹیننٹ باقر کے ڈبے میں بیٹھنے میں کامیاب ہوا۔ آج کا اخبار دیکھو "سیٹھ گوجل چھیدی لال بُری طرح لٹ گئے...... اور لیفٹیننٹ باقر اور ان کے لڑکے ذاکر پر قاتلانہ حملہ کیا گیا...... وہ بچ تو گئے مگر ان کی تمام قیمتی دستاویزیں اور نقد روپیہ لوٹ لیا گیا۔"

"تو پھر آپ واپس کیوں لوٹ آئے۔" حمید نے بے تابانہ پوچھا۔

"یہ میری شکست اور جابر کی فتح کی کہانی ہے۔ میں جس ڈبہ میں داخل ہوا تھا اس میں بالکل اندھیرا تھا...... میں نے ٹارچ جلا کر پورے ڈبہ میں دیکھا۔ ڈبہ خالی تھا...... میں اسی ڈبہ میں لیٹا رہا۔ پتہ نہیں کب میری آنکھ لگ گئی...... اور جب میری آنکھ کھلی تو میں برانچ لائن کے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر تھا...... وہ ڈبہ جس میں میں تھا گلے جنکشن پر کاٹ دیا گیا تھا۔ میں نے دیکھا حریف کام کر چکا ہے۔ سوائے لوٹ آنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ رام گڈھ اسٹیشن ماسٹر کو میں نے تمہارے متعلق اطلاع دے دی تھی...... تمہارے یہاں سے اُسے ٹرنک کال کیا گیا...... میں آیا اور آگے تو تم جانتے ہی ہو...... مگر تمہاری بیوی کیا ہوئی۔" فریدی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا...... اور حمید نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "وہ شاکر کی لائبریری والی کتاب میں کیا تھا...... اس کے متعلق آپ نے کچھ نہیں بتایا۔"

فریدی کا چہرہ یک لخت سنجیدہ ہو گیا...... اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ "وہ میرے ترکش کا آخری تیر ہو گا۔"

اتنے میں نوکر نے میز پر ملاقاتی کارڈ لا کر رکھا۔

"لیفٹیننٹ باقر...... اور...... بی۔ اے۔"

"بلالو......!" حمید نے کہا۔

ایک متوسط عمر کا آدمی...... بائیں گال پر چھوٹا سا تل۔ چھوٹی دھنسی ہوئی آنکھیں...... لمبوترہ چہرا...... اور ستواں سرخ ناک۔ یہ تھے لیفٹیننٹ باقر...... ان کے ساتھ پچیس چھبیس کا ایک نوجوان اور تھا جس کا تعارف لیفٹیننٹ صاحب نے "میرا لڑکا...... گریجویٹ

ہے...... مقابلہ کے امتحان کی تیاری کر رہا ہے۔" ان الفاظ سے کرایا۔ ذاکر دبلا...... پتلا زرد رنگ...... بڑی بڑی آنکھیں...... چہرہ سے معلوم ہوتا تھا کہ کم سخن سنجیدہ اور متین ہے۔

رسمی تعارف کے بعد لیفٹیننٹ صاحب نے کہا۔ "فریدی صاحب مجھے آپ ہی بچا سکتے ہیں۔ میرا جوان بھائی مر گیا......!" کہتے کہتے وہ زار و قطار رونے لگا۔ جذبات پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ "میری بہن سعیدہ لاپتہ ہے۔ کنور ظفر علی خاں اُسے بھکا رہے ہیں۔ مجھے جائیداد نہ چاہئے۔ مگر باپ دادا کی ڈیوڑھی میں یوں نہیں چھوڑ سکتا۔" اور پھر ان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ ذاکر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" ابا جان...... صبر سے کام لیجئے۔" باقر صاحب ٹھہر گئے اور رک رک کر بولے۔ "مشہور ڈاکو راہل میرے پیچھے الگ پڑا ہوا ہے۔ اس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میرے کاغذات دلوا دیجئے اس سے...... فریدی صاحب میں تا زندگی آپ کا احسان مانوں گا۔"

فریدی باقر صاحب کی گفتگو سنتا رہا۔ درمیان میں حمید نے کئی بار کوشش کی کہ اُن سے سوالات کرے، مگر فریدی کا اشارہ پا کر وہ بھی خاموش رہا۔

فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ رہ رہ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھتیں۔ اس نے باقر صاحب کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں جیسے ان کے چہرے میں کچھ تلاش کر رہا ہو اور ایک طویل عرصہ کی خاموشی کے بعد بولا۔

"میں آپ کو کچھ بتا دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ یہاں کے معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں صرف اپنے دوست کی خاطر یہاں ٹھہرا ہوا ہوں۔ آپ سے جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سچائی پر مبنی نہیں۔ راہل سے میں بخوبی واقف ہوں اور اسی لئے فی الحال میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ راہل ہی آپ کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ بہر حال آپ مجھے معاف فرمادیں۔"

ایک جہاندیدہ آدمی کی طرح لیفٹیننٹ باقر فریدی کی باتیں سنتے رہے۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی زردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے پھر کہا۔

"فریدی صاحب...... میں آپ سے انسانی حقوق اور رشتے کی بناء پر کہہ رہا ہوں...... آپ میرا ساتھ دیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔ میں اپنے حالات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ میری بد قسمت حالت پر اگر آپ کو ترس آجائے تو اس کام میں ہاتھ ڈالئے ورنہ آپ کو اختیار ہے۔"

"ارے یہ کیا۔" فریدی مصنوعی حیرت کے ساتھ بولا۔ "تو کیا پیدل ہی چلو گے۔"

"جی ہاں......!" حمید جھٹکے دار لہجہ میں بولا۔

"چہ چہ......لاحول ولا قوۃ...... عجیب احمق ہو...... دیکھو وہ اینگلو انڈین لڑکی تمہیں اس حالت میں دیکھ کر شائد اپنے ساتھیوں میں تمہارا مضحکہ اڑا رہی ہے۔"

حمید نے مڑ کر دیکھا تو واقعی چند اینگلو انڈین مسافر اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں مسکرا رہے تھے۔ اُن میں اتفاق سے ایک لڑکی تھی۔ حمید پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑا۔ اس نے رسی کی رکاب پر پیر رکھا اور اچھل کر خچر پر بیٹھ گیا اور بیٹھا بھی تو اس شان سے جیسے نپولین اپنے قد آور گھوڑے پر سوار آلپس کے دشوار گذار راستے طے کر رہا ہو۔

"شاباش میرے شیر......!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "تمہیں راہ پر لانے کے لئے ہمیشہ ایک عورت کی ضرورت پیش آتی ہے۔"

"جی ہاں میری پیدائش کے سلسلے میں ایک عورت کی ضرورت پیش آئی تھی۔" حمید جل کر بولا۔

"ارے تم تو فلسفہ بولنے لگے.... بھئی میں دراصل اسی لئے تمہاری اتنی قدر کرتا ہوں۔"

"قدر دانی کا شکریہ۔" حمید نے کہا۔ "اس وقت تو آپ بھی فلسفی ہی معلوم ہو رہے ہیں۔"

"کیوں......؟"

"ایں سعادت بزور خچر نیست......!"

"شاباش...... میں نے سنا ہے کہ حضرت عیسیٰ کا گدھا لاطینی بولتا تھا مگر تم خچر پر بیٹھ کر اچھی خاصی فارسی بول رہے ہو۔"

حمید کے خچر نے پھر ٹھوکر کھائی اور حمید گرتے گرتے بچا۔

پیچھے سے پھر قہقہے بلند ہوئے اور حمید دانت پیس کر رہ گیا۔ اُسے سچ مچ فریدی پر غصہ آرہا تھا۔ اگر بس ہی سے سفر کیا جاتا تو کون سی مصیبت آجاتی۔ کوئی تک ہے کہ سامان اور ملازمین تو بس پر جائیں اور خود خچروں پر۔ فریدی کی ایسی ہی عجیب و غریب حرکتوں پر حمید کبھی کبھی اتنی شدت سے بیزار ہو جاتا تھا کہ اس کی صورت تک سے نفرت معلوم ہونے لگتی تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ بغیر یہ سوچے سمجھے ہوئے کہ فریدی اس کا آفیسر ہے، جو کچھ منہ میں آتا اُسے کہہ ڈالتا اور فریدی...... وہ اس کی چڑچڑاہٹ سے لطف اندوز ہوا کرتا تھا۔ وہ اس وقت بھی حمید کی جھلائی

"میرے والد نواب زائر علی خاں تھے۔ ان کی پہلی شادی راجہ سید پور کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ شادی کے تین سال بعد میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ بارہ سال تک والد نے شادی نہ کی۔ لیکن آخر کار انہیں شادی کرنا ہی پڑی۔ اپنی دوسری ماں کے سلوک سے تنگ آکر میں بھاگ نکلا...... بمبئی کے ایک کارخانے میں نوکری کر کے تعلیم حاصل کی اور پھر اس عہدے تک پہنچا۔ اب باقاعدہ پنشن مل رہی ہے۔ مجھے ہمیشہ شرم آتی تھی کہ والد مرحوم کے انتقال کے بعد اگر گھر جاؤں گا تو شاکر سوچے گا کہ جائیداد میں حصہ بٹانے آپہنچے۔ لیکن مرحوم کو خود میرا خیال تھا۔ مرنے سے ایک ہفتہ قبل ان کا خط مجھے ملا تھا جس میں انہوں نے مجھے بلایا تھا اور اب جب میں آیا ہوں تو وہ مرحوم......!" باقر صاحب جتنی دیر تک باتیں کرتے رہے روتے رہے اور آخری جملے پر پہنچ کر ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

حمید بُری طرح اُن سے متاثر ہوا تھا۔ اُن کی ضعیفی اور اُن کی حالت پر اُسے رحم آرہا تھا۔ فریدی یہ پوری بات غیر متعلق انداز میں سنتا رہا۔ نوابزدہ شاکر کا خط دیکھنے کے بعد وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر اس نے اُسے باقر کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"مگر سعیدہ کا بیان ہے کہ نوابزدہ شاکر کا کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔"

"ہو سکتا ہے وہ مجھے نہ پہچانے مگر اُسے یہ علم ہے کہ شاکر کا ایک بڑا بھائی بھی تھا۔ خاندان میں یہ بات مشہور کر دی گئی تھی کہ باقر مر گیا۔ اس میں شاکر کے ننھیال والوں کا ہاتھ تھا...... مگر وہ سب مر گئے۔"

"سب......!" حمید کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"جی ہاں...... چند سال قبل طاعون کی بیماری میں۔"

"بہر حال...... میں وکیل نہیں...... لیکن بظاہر آپ کا مقدمہ کافی مضبوط ہے۔ عدالت میں آپ درخواست دے چکے ہیں۔ وہاں کا فیصلہ جج کے اختیار میں ہے۔ رہ گیا آپ کی حفاظت کا سوال...... تو میں اتنا کر سکتا ہوں کہ پولیس کا معقول انتظام کرا دوں۔ اب اگر اجازت دیں تو بہتر ہے۔" فریدی نے قدرے رکھائی سے یہ جملے ادا کیے۔ مگر لیفٹیننٹ صاحب کا چہرہ ویسے ہی متین اور سنجیدہ رہا...... وہ خاموشی سے اٹھے اور ایک بار پھر فریدی کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اپنے لڑکے سے بولے۔ "آؤ بیٹا...... چلیں۔"

دروازے پر پہنچ کر انہوں نے مڑ کر فریدی کو دیکھا اور دھیمی آواز میں بولے۔

"زحمت کا شکریہ۔" اور چلے گئے۔

آگ خون اور گولے

فریدی اور حمید شہر کے نزدیک پہنچ رہے تھے۔ شہر کی چہل پہل شروع ہو گئی۔ ایک لمبی سانس کھینچتے ہوئے حمید نے کہا۔

"کیا مصیبت تھی۔"

"ہوں......!" فریدی نے کہا اور چپ رہا۔

"میں سمجھتا ہوں ہمیں اب رام گڑھ چھوڑ ہی دینا پڑے گا۔" حمید کے لہجے میں مایوسی تھی۔

فریدی خاموش رہا۔ "تمہیں ابھی شہر میں بھی آگ ملے گی۔" فریدی کچھ دیر رک کر بولا۔

"آؤ جلدی کریں۔"

سامنے ریستوران کھلا ہوا تھا۔ حمید سے نہ رہا گیا۔

"صرف ایک پیالی چائے۔" حمید نے کھکھیا کر کہا۔

اور دونوں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

ایک خوبصورت سا نوجوان سامنے بیٹھا ہوا چائے پی رہا تھا۔

ایک نظر میں فریدی نے اسے پہچان لیا...... اس نے غالباً ابھی ابھی سگریٹ جلائی تھی۔ سگریٹ کا ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں تھے۔ وہ فریدی کو دیکھ کر اٹھا اور سگریٹ کا کش کھینچتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

فریدی کے پاس پہنچتے ہی وہ زمین پر بیٹھ گیا اور زور زور سے گلا دبانے لگا۔ "ارے...... ارے...... یہ تو رخصت ہوئے۔" کہتا ہوا فریدی اٹھا۔ اس کی آنکھوں سے شرارے ابلنے لگے

"بیچارہ ڈاکر" فریدی کے منہ سے نکلا۔

حمید نے پانی کا گلاس اٹھا کر جلدی جلدی چھینٹے دینے شروع کر دیے۔ ہوٹل میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ لوگ جگہیں چھوڑ کر وہاں کھڑے ہو گئے تھے۔ کسی نے فریدی کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "یہ ختم ہو گئے...... انہیں سگریٹ میں زہر دیا گیا ہے۔" کہتے ہوئے وہ پیچھے مڑا۔ "طارق صاحب...... ارے آپ؟"

"فریدی صاحب...... فوراً چلیے...... غزالہ کی حالت نازک ہے۔"

فون کرنے کے بعد لاش کو پولیس کے حوالے کر کے اور حمید کو ہدایات دے کر فریدی طارق کے ساتھ چلا۔

"وہ لوگ کہاں ہیں۔"

"سعیدہ کے گھر میں آگ لگا دی گئی۔ اس کے یہاں کے سارے کبوتر غائب ہیں اور صرف غزالہ زخمی ہے۔ وہ لوگ ابھی یہاں آئے ہیں۔"

"مگر باقر اور ظفر کے تعلقات......!"

فریدی نے پوچھا۔

"آپ کو شاید حالات کا علم نہیں۔ باقر صاحب اور سعیدہ میں سمجھوتہ ہو گیا۔ عدالت نے باقر کو شاکر کا بھائی تسلیم کر لیا۔ لیکن انہوں نے اپنی طرف سے جائیداد سعیدہ کے نام ہبہ کر دی ہے۔ صرف گھر اُن کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جس وقت آگ لگی ہے باقر صاحب وہیں موجود تھے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے سب کو نکالا۔"

فریدی سنتا رہا...... اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولا۔

"میں نواب اور کنور صاحب سے مل بھی نہ سکا۔ بہت سی باتیں معلوم کرنا تھیں۔ میرا مقابلہ ایسے آدمی سے ہے، جس کے کام کرنے کا طریقہ سب سے الگ ہے۔ وہ پے در پے تابڑ توڑ ایسے حملے کرتا جاتا ہے کہ مخالف کو سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ ہاں...... غزالہ کو کیا ہوا۔"

"میں بتا رہا تھا...... وہ لوگ کچھ آپ سے کشیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ خصوصاً کنور صاحب...... جس وقت آگ لگی ہے ہمیں ایسا معلوم ہوا جیسے جلتی ہوئی شہتیروں کے درمیان آپ بچ نکلنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ہم سب بڑھے اور غزالہ بھی۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی ہمت کر سکے وہ آگ میں داخل ہو چکی تھی۔ جلتی ہوئی آگ میں سے بمشکل وقت اُسے

نکالا گیا...... وہاں سے آنے کے بعد باقر صاحب نے مجھے اس ہوٹل میں ذاکر کو بلانے کے لئے بھیجا اور یہاں آپ مل گئے...... بیچارے باقر صاحب... ان کا بھی ایک لڑکا تھا۔"

فریدی اور طارق نوابزادہ شاکر کے مکان پر جب پہنچے ہیں وہاں بھی آگ لگ چکی تھی۔ آگ مکان کے پچھلے حصہ کی طرف سے لگائی گئی تھی اور بیرونی حصہ تک پہنچنے سے پہلے اُسے بجھانے کی کوشش کافی حد تک کامیاب ہو چکی تھی۔ مکان کے سامنے باقر صاحب چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ غالباً ذاکر کے مرنے کی اطلاع انہیں مل چکی تھی۔ غزالہ باہر ہی ایک پلنگ پر لٹائی گئی تھی۔ صرف ذرا سی خراش اور پیر کا نچلا حصہ جلا تھا۔

"بلاوجہ طارق نے پریشان کر دیا۔" فریدی منمنایا اور پھر پلٹ کر نواب صاحب کی طرف مڑا۔ نواب رشید الزماں بالکل گم سم تھے اور سعیدہ غزالہ کے پاس بیٹھی ہوئی پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ کنور ظفر علی خاں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

"جج صدیق احمد کے یہاں چوری ہو گئی...... مگر ان کے کبوتروں کے علاوہ اُن کی سب چیزیں محفوظ ہیں۔" ایک سپاہی نے اطلاع دی...... اور باقر صاحب کے گھر پر تعینات انسپکٹر نے فریدی سے کہا۔ "آگ لگانے کا مقصد میری سمجھ سے باہر ہے۔ نواب زادہ شاکر کے تمام پرانے کبوتروں کے علاوہ گھر کی ہر چیز محفوظ ہے۔"

"مگر آگ لگانے والوں میں سے کسی کو آپ دیکھ سکے۔" فریدی نے پوچھا۔

"ایک شخص گرفتار ہوا ہے...... اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر گولی چلائی گئی تھی۔ اس کے بائیں شانے پر گولی لگی ہے۔ وہ لیجئے اُسے یہ لوگ لے بھی آئے۔"

وہ آدمی بے ہوش تھا...... فریدی نے روشنی اٹھا کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا اور چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کنور ظفر علی خاں۔"

اس کے منہ سے نکلا۔ باقر صاحب کنور کو دیکھتے ہی چیخنے لگے۔

"بہن سعیدہ دیکھا تم نے...... اسی نے میرے بھائی کی جان لی۔ اسی نے گھر میں آگ لگائی۔ اسی نے میرے بیٹے کو مارا...... اور اب یہ مجھے بھی مارنا چاہتا ہے۔ اگر یہ مجھ سے کہہ دیتا تو میں اسے یوں ہی کبوتر دے دیتا۔" ان کی آواز میں عورتوں کا درد جھلک رہا تھا۔ وہ بے تحاشہ چیخ

رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔

"انہیں ہسپتال بھجوا دیجئے...... دشمن ہم سب کو غلط فہمی میں مبتلا کر تا رہا ہے...... میں جا رہا ہوں۔" فریدی کہتا ہوا نواب صاحب کے پاس رکا......!" آپ ماتھر صاحب کے یہاں سعیدہ غزالہ اور طارق کے ہمراہ چلے جائیے...... مگر دیکھئے کل رات تک وہاں سے کہیں اور نہ جائیے گا......!" کہتا ہوا فریدی غائب ہو گیا۔

نواب صاحب فریدی کی ہدایت کے مطابق چلے تو گئے۔ مگر دوسرے روز شام کو غزالہ کی طبیعت سنبھلنے پر باقر صاحب کے اصرار پر اُن کے گھر چلے آئے۔ سعیدہ اپنے مکان پر لوٹ آئی تھی اور کنور ظفر علی خاں پر نواب زادہ شاکر کے قتل اور اُن کے بھائی لیفٹیننٹ باقر کے گھر میں آگ لگانے اور چوری کے الزام میں لیفٹیننٹ باقر کی طرف سے مقدمہ چلا دیا گیا تھا۔ وہ ضمانت پر چھوڑ دیئے گئے تھے...... اور ہسپتال میں تھے۔

فریدی گرفتار

اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا فریدی دو کتابوں میں منہمک تھا۔ قلمی خاکے والی کتاب پر کچھ نشانات نوابزادہ شاکر نے لگا رکھے تھے۔ دوسری کتاب پڑھتے ہوئے اس نے کچھ نوٹ لکھے...... دفتی والا کاغذ پھٹا ہوا تھا...... اس نے کچھ سوچا اور پھر دونوں کتابیں اٹھائیں اور انہیں اپنی الماری میں بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے الماری کھولی کتابیں الماری میں نہیں تھیں۔

"ٹھیک ہے......!" وہ بڑبڑایا۔ "میں جانتا تھا جابر کہ تم یہاں آؤ گے...... ان کتابوں کے لئے...... تمہیں میری سخت ضرورت ہے اور یہ کتابیں اب نہ مل سکیں گی...... یہ بہت دور چلی گئی ہیں۔"

جیب سے ایک تصویر نکال کر اس نے غور سے دیکھا اور پھر اُسے جیب میں رکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

شام ہو چکی تھی۔ حمید کا کہیں پتہ نہ تھا۔ فریدی نے اُسے لیفٹیننٹ باقر کے گھر پر نگرانی کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس کے خیال سے اُسے اب واپس آجانا چاہئے تھا...... وہ ہوٹل کے برآمدے میں انتظار کرتا رہا اور آخر تنگ آکر لیفٹیننٹ باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

لیفٹیننٹ باقر کے گھر پر بالکل سناٹا تھا۔ پولیس کے دو سپاہی بیٹھے ہوئے اونگھ رہے تھے۔ لائبریری میں روشنی شیشے کے خانوں سے چھن چھن کر آرہی تھی۔ فریدی نے جھانک کر دیکھا لیفٹیننٹ صاحب کمرے میں کتابوں میں محو تھے...... تھوڑی دیر تک وہ کتابیں دیکھتے رہے پھر انہوں نے دراز سے پستول نکال کر اپنی جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف بڑھے۔ فریدی نے فوراً اپنے کو چھپالیا...... لیفٹیننٹ صاحب جیسے ہی باہر نکلے وہ کچھ عجیب طریقے سے کھانسے...... انہوں نے جیب سے رومال نکالا اور اپنے منہ کو ایک بار پھر پونچھا...... کمرے کا دروازہ بند کیا۔ تالا لگایا اور سپاہیوں کو دیکھتے ہوئے باہر چلے گئے۔

فریدی اُن کے جاتے ہی لپکا۔ جس جگہ رکے تھے وہاں پر پڑے ہوئے کاغذ کے ٹکڑے کو اس نے اٹھایا اور لائبریری کے دروازے کے نچلے پٹ پر اس نے اپنے ڈبے سے سفوف نکالا اور چھڑک دیا...... دیکھتے ہی دیکھتے لکڑی کا وہ ٹکڑا گلنے لگا۔ جلدی سے فریدی نے اپنی انگلیاں رومال سے باندھ کر انہیں اندر کی طرف دبانا شروع کیا۔ لکڑی کا تختہ ایک ہلکی آواز کے ساتھ نیچے آرہا اور فریدی اسی راستہ سے اندر داخل ہو گیا۔ ہلکی ہلکی مدھم سی آوازیں بات چیت کرنے کی آرہی تھیں۔ فریدی نے کان لگا کر سنا "طارق اپنی سیاحی کے قصے سنا رہا تھا...... کبھی کبھی نواب رشید الزماں کے بولنے کی آواز بھی آجاتی۔ غزالہ کے قہقہے کی آواز اس نے صاف پہچان لی۔

اس نے سوچا کہ اُن لوگوں کو یہاں سے ہٹا دے مگر ایک جانی پہچانی آواز پھر اُسے سنائی دی۔ ماتھر صاحب بول رہے تھے۔ "یہ بھی یہیں ہیں تب ٹھیک ہے۔"

کاغذ جیب سے نکال کر فریدی نے ایک بار پڑھا اور پھر اُسے جیب میں رکھ لیا۔ الماری کے بغل میں رکھے ہوئے اسٹول پر ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ فریدی کی انگلیاں اُس مجسمے پر کچھ تلاش کرتی رہیں۔ اچانک اس کا ہاتھ مجسمے کے پچھلے حصہ پر پڑا اور خفیف سی آواز کے ساتھ مجسمہ کا سر بیچ سے کھل گیا۔ اندر ایک چھوٹے سے صندوقچے میں بہت سے خطوط رکھے تھے۔ فریدی نے انہیں نکالا اور دیکھتا رہا۔ ایک تصویر دیکھتے ہی اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "میں اتنا نہیں سمجھ تھا...... اتنی

شاندار اداکاری اور ایسا بھیس۔" فریدی دل ہی دل میں بولا۔

خطوط جمع کرنے کے بعد اس نے انہیں الماری کے بالکل اوپر رکھ دیا...... سامنے ایک کتاب کھلی ہوئی تھی...... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ابھی اس پر کوئی شخص کچھ لکھ رہا تھا اور پھر ادھورا چھوڑ کر اٹھ گیا ہے۔

کتاب کے بہت سے اوراق سادہ تھے۔ سرسری طور پر فریدی نے ورق الٹے...... جسم کی بناوٹ...... مختلف اعضاء جسمانی حرکات و افعال روح کی ماہیت کے متعلق ایک بالتفصیل مضمون تھا۔ آخر اُسے وہ چیز دکھائی دے ہی گئی۔ میز کے نیچے کبوتروں کے پنجے میں ڈالے جانے والے تین چھلے احتیاط اور حفاظت سے ایک چھوٹے سے بکس میں رکھے تھے۔ بکس پر گرد جمی ہوئی تھی۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس بکس کو غیر اہم بنانے کے لئے گرد ڈالی گئی ہے۔ بکس کے اوپر دو جوتے اور سامنے بہت سی چپلیں رکھی ہوئی تھیں۔ بغل میں ایک ڈبہ اسی حالت میں تھا۔ سگریٹ کی تمباکو اس میں بھری ہوئی تھی...... فریدی نے چٹکی سے تمباکو سونگھا..... "ارے" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

تمباکو اور چھلے والے خطوط لے کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک تھی۔

اچانک اُسے محسوس ہوا کہ وہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس نے جھک کر دیکھا...... پیروں سے تار سے زیادہ باریک شے جکڑی ہوئی تھی...... اس نے چاہا چیخے...... مگر گردن میں بھی ایسی ہی ایک مصیبت تھی...... سامنے جابر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"پھنس گئے نا آخر...... تم نے مجھے پھنسانا چاہا اور خود دام میں آ گئے...... شاید اگر مجھے پانچ منٹ کی بھی دیر ہوتی تو تم نے تو مجھے ختم کر دیا تھا......" وہ کچھ دھیمے لہجے میں بولا۔ فریدی نے ہاتھ سے پستول نکالنے کی کوشش کی مگر پستول نکالنے سے پہلے ہاتھوں کی طاقت ختم ہو گئی...... جابر ہنسا۔

"یہ اناڑی پن چھوڑو...... میں اتنا گدھا نہیں ہوں کہ تمہیں پستول نکالنے کا بھی موقع دوں...... یہ تار دیکھو...... بڑی محنت سے تیار کئے ہیں میں نے...... ان کے ذریعہ انسانی جسم کی طاقت سلب ہو جاتی ہے۔ تم دیکھ سکتے ہو سوچ سکتے ہو...... مگر نہ بول سکتے ہو اور نہ

حرکت کر سکتے ہو...... اس تار کا نسخہ جرمنی میں ڈاکٹر وان ریچ سے حاصل کیا گیا تھا۔"

وہ بولتا رہا...... غصہ سے اس کی بھویں تن گئی تھیں...... اس نے اپنی ناک اٹھائی اور اپنا منہ فریدی کے بالکل سامنے لے آیا۔ فریدی کی آنکھیں خوف سے بند ہو گئیں...... منہ کے اندر اس نے ایک تھیلی لٹکا رکھی تھی۔

"فریدی بیٹے۔" وہ چہکارتے ہوئے بولا۔ "دو چار سے بھڑ گئے اور اپنے کو تیس مار خاں تصور کر لیا...... یہ تھیلی دیکھتے ہو میں اسے نکال لوں تو میری آواز سنتے ہی تم بیہوش ہو جاؤ...... اس میں ایک گولی چھوڑو...... آواز کرخت ہو گی...... دو...... اوسط...... تین...... نرم...... چار...... کرخت زنانی...... پانچ...... سریلی زنانی آواز...... سمجھے۔"

"مگر دیکھو...... تم بیہوش ہونے کا ارادہ کر رہے ہو...... یہ بڑی بری بات ہے...... خیر...... یہ بتاؤ...... کتابیں مجھے دو گے یا کتے کی موت مرنا چاہتے ہو؟ بولو...... اچھا لو...... میں تمہیں تمہارے ایک ہاتھ کی طاقت واپس دیتا ہوں۔"

جابر نے ایک ہاتھ کا تار نکال لینے سے پہلے پستول اور خطوط اپنے پاس رکھ لئے...... اور پھر فریدی کی طرف مخاطب ہوا۔

"اشارہ سے بتا دو...... کتابیں دو گے یا نہیں۔"

۔ فریدی نے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا۔

"بالکل گھامڑ سمجھتے ہو...... میں تمہارے پاس آؤں...... تم مار ہی دو...... کون جانے؟ ضدی تو ہو، کتاب دو گے۔"

فریدی نے انکار کیا...... تین بار اس نے پوچھا اور فریدی انکار ہی کرتا رہا۔

"خیر...... تم ذہین آدمی ہو...... اور ہندوستان میں ایسے آدمیوں کی کمی ہے اس لئے تمہیں مارنا نہیں چاہتا...... کیا فائدہ...... بتا دو...... اچھا چلو میں تمہیں جابر کے ایک ہم شکل کی لاش دوں گا...... شاید چیف کمشنر بنا دیئے جاؤ...... اس لئے کہ تمہاری حکومت کی کچھ تجارتی دستاویز بھی میرے پاس ہیں۔"

"بڑا نام ہو گا تمہارا...... میں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر ہندوستان نہیں آؤں گا...... اب دیتے ہو۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"دیکھو ضد نہ کرو...... تم مجھ سے بہت پیچھے ہو...... میں ہزاروں سال زندہ رہنے کا تجربہ کر رہا ہوں۔"

"اس کتاب سے مجھے بڑی مدد ملے گی۔ انسانی خون کی جتنی مجھے ضرورت تھی وہ مجھے مل چکا ہے۔ مجھے بتادو...... میں تمہارا اعتبار کرتا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ دوں گا...... میرے پاس وقت نہیں ہے۔ ابھی اسی کمرے میں پہلے طارق آئے گا...... پھر تمہارے دوست ماتھر آئیں گے...... پھر جج صدیق احمد آئیں گے۔ پھر نواب رشید الزماں آئیں گے اور وہ حسین چھوکری غزالہ آئے گی اور تمہارے حمید آئیں گے۔ اس چھوکرے کو اچھی تربیت دے رہے ہو۔ خیر...... اگر کتاب نہ دو گے تو یہ سب مر جائیں گے۔"

فریدی نے پھر انکار کیا۔

"تب تم ایک بیوقوف آدمی ہو اور بیوقوف کے لئے یہی جگہ ہو سکتی ہے۔" جابر نے ایک ٹھوکر ماری اور لائبریری کے بیچ کا حصہ پھٹا...... اور فریدی اندر دھنستا چلا گیا۔ اس نے تختہ رکھا اور قالین بچھا دیا۔ کمرے میں بے ہوشی کی گیس بھر رہی تھی۔

ننگی لاشیں

فریدی کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے کو ایک الماری نما خانے میں بند پایا...... اس کے ہاتھ اور پیروں میں قوت لوٹ آئی تھی۔ وہ بول بھی سکتا تھا...... لیکن اس کے منہ پر پٹی باندھ دی گئی تھی اور سارا بدن رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا۔

کمرے کا عجیب ہیولیٰ تھا...... چاروں طرف انسانی پنجر رکھے ہوئے تھے۔ بڑے بڑے مرتبانوں میں عجیب و غریب طرح کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ کمرے میں سیلن اور بو تھی۔

سامنے لگے ہوئے چارٹ پر نمبر پڑے ہوئے تھے۔ اس کے اوپر جرمن زبان میں لکھا ہوا تھا۔

"جابر کبھی بھی بلاوجہ کسی کو دعوت نہیں دیتا۔ اب تک اس چارٹ پر
جتنوں کے نام لکھے گئے ہیں، وہ سب اس کے مہمان رہ چکے ہیں اور ان سے
وہ بہت کچھ حاصل بھی کر چکا ہے۔"

الماری کے بالکل سامنے ہی وہ چارٹ تھا...... چارٹ کے نیچے عجیب و غریب شکلیں بنی ہوئی تھیں۔ دیواریں بہت بوسیدہ معلوم ہوتی تھیں۔ پورا ماحول بھیانک تھا۔

جابر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔ لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ اپنی میز کے سامنے پڑی تین ننگی لاشوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ مگر اس کی خوفناک چھوٹی چھوٹی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور لاشوں پر جھک کر غور سے دیکھنے لگا۔ میز پر سے ایک آلہ اٹھانے کے بعد اس نے لاش کے سینے کا معائنہ شروع کیا۔ ابھی اس کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک دھماکے کے ساتھ ایک چوتھی لاش اس کے کمرے میں گری۔ "مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔" وہ بڑبڑایا اور اس کے کپڑے اتار کر اس نے اسے بھی بالکل ننگا کر دیا اور ان تینوں کے بغل میں اس کو لٹا دیا۔ پھر کمرے میں لگے ہوئے ایک بڑے سے چارٹ پر اس نے لکھا نمبر ۴ اور کرسی پر بیٹھ کر دراز میں سے کچھ کاغذات نکال کر اسے دیکھنے لگا کہ ایک دوسرا دھماکہ ہوا اور اب پانچویں لاش اس کمرے میں پڑی تھی۔

یہ لاش ایک خوبصورت سی نوجوان عورت کی تھی۔ وہ کچھ چونک سا پڑا۔ "آخر تم بھی آگئیں، اچھا ہوا......" وہ پھر کچھ بڑبڑایا اور ایک بڑی سی الماری کے پاس جا کر رک گیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک تیز ہو گئی تھی اور پھر......وہ کمرے میں ٹہلنے لگا۔ "لاش کے قریب آکر اس نے عورت کی لاش کو بھی ان لاشوں کے برابر ڈال دیا اور چارٹ پر نمبر ۵ لکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ ابھی ایک خانہ خالی تھا۔ وہ اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور لیمپ کی مدھم روشنی میں وہ چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ چھت بالکل سپاٹ معلوم ہوتی تھی، جسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس میں کوئی جوڑ ہے اور یہ ذرا سا بٹن دبانے سے کھل سکتی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ "پرانی

ہوئی حرکتوں سے لطف لے رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب تم اس خچر کو کاندھے پر اٹھالو۔" فریدی پھر بولا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فریدی کے اس جملے پر اس کے ذہن میں کوئی ایسا جملہ گونجا ہو جسے نہ کہنا ہی بہتر تھا۔

"تم اس طرح مُردے مُردے منہ کیوں بنائے ہوئے ہو۔" فریدی نے کہا۔

"تو میرا منہ اچھا ہی کب تھا۔" حمید جل کر بولا۔

"میرے خیال سے تو اچھا خاصا تھا۔"

حمید پھر چپ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی پھر بولا۔

"حمید......!"

"جی......!"

"ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھو......!"

"دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا محسوس ہوتا ہے۔"

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں پرلے سرے کا گدھا ہوں۔"

"اور خچر پر سوار ہو۔"

حمید نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔

"حمید......!"

"فرمائیے......!"

"ادھر اس چٹان کے پاس دیکھ رہے ہو...... وہ پہاڑی لڑکی۔" فریدی بولا۔

"مجھے فی الحال اس سے کوئی دلچسپی نہیں...... کیونکہ یہ پہاڑی خچر......!"

"تم اس خچر کو ختم بھی کرو۔"

"ابھی یہ کم بخت مجھے ہی ختم کر دے گا۔" حمید نے جھلا کر خچر کو ایک چھڑی رسید کرتے ہوئے کہا۔

خچر ایک ڈھلوان چٹان سے گذر رہا تھا۔ چھڑی پڑتے ہی اچھل پڑا۔ اگر حمید فوراً ہی اس کی

چھت اس کے لئے کتنی کار آمد ثابت ہوئی ہے۔" گرمی سے پریشان ہو کر وہ ٹہلنے لگا۔ اسی طرح کا ایک دھماکہ ہوا...... چھت کھلی اور لاش اندر گر پڑی۔

"تم نے کافی انتظار دکھایا، خیر اب مجھے کسی کا انتظار نہ کرنا پڑے گا۔"

وہ پھر بڑبڑایا اور اس کو بھی بالکل ننگا کر کے ان لاشوں کے بغل میں لٹا دیا۔ چارٹ کا وہ خانہ جو خالی تھا ۶ نمبر سے بھر چکا تھا۔

اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور دیوار سے لگی ہوئی بڑی سی الماری کا پردہ ہٹایا۔ ایک شخص رسیوں میں جکڑا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ "دیکھو تمہارے مہمان آئے ہوئے ہیں۔" اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ بندھے ہوئے شخص کی آنکھیں غصہ سے سرخ ہو گئیں۔ اس نے رسیوں سے آزاد ہو جانے کے لئے بھرپور طاقت سے اپنے بازوؤں کو ہلایا لیکن رسی ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"کیوں......" وہ شخص زور سے ہنسا۔ "میرا نام جانتے ہو...... میرے کاموں میں رخنہ ڈالنے کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔ میں نے تم سے کئی بار کہا کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ...... لیکن تم جانتے نہیں خیر یہ دیکھو...... انہیں پہچانو...... "غزالہ" اس نے لاشوں کی طرف اشارہ کیا "اور یہ ہیں مسٹر حمید۔ ان سے مل کر تم کو ضرور خوشی ہوئی ہو گی اور یہ بیچارے جج صاحب ہیں۔ نواب رشید الزماں سے تو مل لو...... اس نے بندھے ہوئے شخص کا شانہ ہلایا اور وہ دیکھو ماتھر صاحب بیچارے کے چہرے پر روشنی ذرا کم پڑ رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے انہوں نے ملزموں پر بہت ظلم کئے ہیں، کیوں کیا خیال ہے تمہارا......!" اس نے پھر چھیڑا۔

"شاید تمہیں ان مہمانوں سے مل کر خوشی نہ ہوئی ہو۔" وہ بولا۔ اور پھر سب سے آخری لاش پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ "ادھر دیکھئے سرکار! یہ آپ کے خاص قدر دانوں میں سے ہیں مسٹر طارق...... لیکن ان کا نیولا اس وقت ان کے کاندھوں پر نہیں ہے۔" یہ کہہ کر پھر اس نے الماری پر پردہ ڈال دیا اور حمید کی لاش اٹھا کر کمرے کے باہر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ہاتھ میں ایک سفید سی شیشی لئے ہوئے واپس آیا...... اور شیشی میں سے تھوڑا سا سفوف نکال کر اس نے طارق کی ناک میں ڈال دیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس نے کمرے کی روشنی کم کر دی اور طارق کی لاش پر جھک گیا۔ تھوڑی دیر بعد لاش کو ایک چھینک آئی وہ

جلدی سے ہٹ گیا اور جیب سے ایک دوسری شیشی نکال کر اس کو سنگھایا۔ طارق کے جسم میں حرکت پیدا ہو چکی تھی۔

"میں...... میں کہاں ہوں......!" طارق کمرے کے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا اور جب اس کی نظر اپنے برہنہ جسم پر پڑی تو وہ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ڈرو نہیں۔"

اس نے طارق کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"لیکن...... تم...... تم...... ہو کون...... اور ے...... میرے...... ک...... ک...... کپڑے۔" طارق نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ لو اپنے کپڑے، گھبراؤ نہیں...... ابھی تم کو معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں۔"

طارق جلدی جلدی اپنے کپڑے پہننے لگا۔ جب وہ کپڑا پہن چکا تو اس نے اپنے چہرے پر سے نقاب ہٹایا۔ "فریدی" طارق زور سے چیخا۔ "کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں آپ خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔ میں ہوں انسپکٹر کمال احمد فریدی۔"

"لیکن یہ سب کیا تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔" طارق بولا۔

"ابھی بتاتا ہوں" وہ بولا اور بقیہ لاشوں کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا۔ نواب رشید الزماں اور غزالہ کے علاوہ سب کو ہوش آ چکا تھا۔ وہ ان سب کے کپڑے دیتے ہوئے بولا۔

"گھبرایئے نہیں...... ابھی آپ لوگوں کو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" اور وہ نواب صاحب اور غزالہ کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔

سب لوگ حیرت سے اس کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ فریدی یہاں کس طرح پہنچا اور ہم لوگوں کو کس نے گرفتار کیا۔ وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ نواب صاحب اٹھ بیٹھے اور اس نے انہیں بھی کپڑے پہننے کو دے دیئے۔ نواب صاحب کی نظر جیسے ہی غزالہ پر پڑی وہ بڑے زور سے چیخے "فریدی۔"

"نواب صاحب پریشان نہ ہوں...... اس نے ہمدردی کے لہجہ میں کہا۔ شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا...... ورنہ آپ لوگوں کا نہ جانے کیا حشر ہوتا۔"

"میری بچی۔" نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔

"گھبرایئے نہیں...... ابھی ان کو بھی ہوش آجائے گا۔" اس نے تسلی دی۔

"مسٹر فریدی کچھ بتایئے کہ واقعہ کیا ہے۔" ناتھر نے پوچھا۔

"واقعہ تو کوئی خاص نہیں ہے۔" وہ جیب سے پستول نکال کر اچھالتا ہوا بولا۔

"انہیں آپ دیکھ رہے ہیں۔ نواب رشید الزماں ایک بزرگ ہستی جن سے کبھی اس بات کی امید نہیں رکھی جاسکتی کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" اس نے پستول سے کھیلتے ہوئے کہا۔

"کیا بکتے ہو۔" نواب صاحب غصہ میں کھڑے ہو گئے۔

"میں تمہیں اتنا ذلیل نہیں سمجھتا تھا...... میں نے تمہیں آج تک اپنے بیٹے کی طرح سمجھا۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہاری رگوں میں رزالت کا خون دوڑ رہا ہے..... کمینے ذلیل۔"

"بس...... بس...... نواب صاحب۔ آپ کے منہ سے گالیاں کچھ بھلی نہیں معلوم ہوتیں۔" وہ مسکرایا۔

"لیکن تم کو اپنے ہاتھوں میں قانون نہیں لینا چاہئے تھا۔" ناتھر افسرانہ انداز میں بولا "اور اگر تمہارے پاس اس کا ثبوت تھا کہ نواب رشید الزماں نواب زادہ شاکر علی کے قاتل ہیں یا ان کا اس قتل میں ہاتھ ہے تو تمہیں قانونی طور پر انہیں گرفتار کرنا چاہئے اور ہم لوگوں کا ہاتھ کس قتل میں ہے، جو اس طرح سے یہاں لائے گئے؟"

"ناتھر صاحب چونکہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں نواب صاحب کا ہاتھ ہے اور میرے پاس کوئی قانونی ثبوت نہیں ہے اس لئے مجھے ایسا کرنا پڑا اور چونکہ آپ پولیس کے ایک ذمہ دار آفیسر ہیں اس لئے آپ کے سامنے ان کا بیان ہو گا۔"

"فریدی خدا کے لئے ہوش میں آؤ...... آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ یہ سب کیا تماشہ ہے۔ اگر تمہیں یہ کرنا ہی تھا تو کپڑے اتار کر ہم لوگوں کو ذلیل کرنے سے تم کیا کیا فائدہ پہنچا۔"

"فائدہ..... جج صاحب آپ ہمیشہ فائدے ہی کی سوچتے ہیں۔" اس نے جج صاحب کو جواب دیا۔ "آپ لوگوں کا اصلی روپ یہی ہے۔ آپ سب ذلیل ہیں، جو شرافت کا مصنوعی لباس پہن کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ خود جرم کر کے دوسروں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ آپکے ان ناپاک جسموں کو ننگا ہی رہنا چاہئے۔ بالکل ننگا۔ ایک کتے کی طرح تاکہ آپ کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں۔"

وہ غصے میں بکے جارہا تھا اور جج صاحب بیچارے سہم کر چپ ہو گئے تھے۔ غزالہ کو ہوش آرہا تھا۔ نواب صاحب آہستہ آہستہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔ غزالہ نے آنکھیں کھول دیں اور اپنے باپ کو اپنے پاس دیکھ کر اُسے کچھ اطمینان ہوا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور فریدی کی گفتگو غور سے سننے لگی۔

"بہر حال نواب صاحب کو یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ شاکر علی کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے۔" اُس نے کنکھیوں سے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"یہ جھوٹ ہے...... یہ سب جھوٹ ہے......!" غزالہ چلائی۔

"کیا آپ کو بھی اس سے انکار ہے۔" اس نے نواب صاحب سے دریافت کیا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو......" نواب صاحب عاجز ہو کر بولے۔

"یہی کہ آپ یہ لکھ کر دیجئے کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں آپ کا ہاتھ ہے۔"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" نواب صاحب غصے میں بولے۔

"ہو سکتا ہے......!" اس نے پستول دکھایا۔

"ٹھہرو......!" ماتھر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔ "تم بہت آگے بڑھ رہے ہو۔"

"اوہ...... سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو غصہ آگیا۔ کرسی پر بیٹھ جائیے۔"

"لیکن تم یہ سب کیا کر رہے ہو۔"

"میں کچھ نہیں کر رہا ہوں...... یہ کاغذ حاضر ہے...... اس پر لکھ دیجئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے جلدی کیجئے۔"

"لیکن......!"

"لیکن ویکن کچھ نہیں جلدی کیجئے...... اور سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ کو گواہی دینا ہو گی۔" اس نے پستول قریب کرتے ہوئے کہا۔

نواب صاحب مجبوراً قلم اٹھاتے ہوئے بولے۔ "کیا لکھوں؟"

"ہاں لکھئے......!

میں آج انسپکٹر فریدی اور ماتھر صاحب سپرنٹنڈنٹ کے سامنے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ نواب زادہ شاکر علی کے قتل میں میری بھی سازش تھی۔

نواب رشید الزماں بقلم خود۔"

"لیجئے باقر صاحب اب آپ بھی گواہی کر دیجئے......!" وہ مسکراتا ہوا بولا۔

"ہوں......!" باقر نے اس کو گھورا اور پھر اس کاغذ پر اپنے دستخط کر دیئے۔

اس نے کاغذ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ لوگوں کو بے حد تکلیف ہوئی جس کی میں معافی چاہتا ہوں......" غزالہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"اچھا اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" اس نے تالی بجائی اور فوراً آٹھ نقاب پوش کمرے میں داخل ہوئے۔

"آپ لوگوں کو آرام سے چھوڑ آؤ۔" اس نے اشارہ کیا۔

اور نقاب پوش ان لوگوں کو لے کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

کبوتروں کا خون

"انتہائی بد مذاقی کا ثبوت ہے۔ اگر قیدی کرنا ہی تھا تو یہ ایک سرے سے ننگا کرنے کی کون سی ضرورت تھی۔" حمید نقاب پوش کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"میں کیا جانوں یہ تو فریدی صاحب بتا سکتے ہیں۔" نقاب پوش نے جواب دیا۔

"فریدی صاحب...... کیا مطلب......!"

"جی ہاں...... آپ انہیں کے قیدی ہیں۔" نقاب پوش بولا۔

"کیا بکتے ہو...... اماں اتنے بڑے ہو گئے اور تمہیں جھوٹ بولنا بھی نہیں آیا اور یہ پستول تانے کیوں کھڑے ہو۔ ہٹاؤ اس کو میں بھاگا تھوڑی جا رہا ہوں۔"

"لیجئے آپ کو یقین نہیں آرہا تھا تو خود دیکھ لیجئے۔" فریدی صاحب خود آرہے ہیں۔" نقاب پوش نے اشارہ کیا۔ اتنے میں وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"آپ......؟" حمید کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"اس کے دونوں ہاتھ پیچھے سے اچھی طرح باندھ دو۔" اس نے نقاب پوش کو حکم دیا۔

"حمید نے غور سے اس کو دیکھا......اوہ......تم......!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو۔"

"تو تم گولی چلادو گے۔" حمید نے جملہ پورا کیا۔

"لو باندھ لو......!" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

اور جب وہ آدمی حمید کے دونوں ہاتھ باندھ چکا تو اس نے نقاب پوش سے کہا۔ "ان کو کبوتر خانے میں لے جاؤ۔ میں روشنی لے کر آتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ روشنی لے کر کبوتر خانے میں آ گیا، جہاں حمید اس آدمی کے ساتھ پہلے ہی سے کھڑا تھا۔ کمرے میں ہزاروں کبوتر پڑے ہوئے تھے جن کے پیٹ چاک کر دیئے گئے تھے۔

"دیکھا......!" اس نے حمید سے پوچھا۔

"ہاں دیکھ لیا......!" حمید نے بے دلی سے جواب دیا۔

"نہیں ادھر دیکھو......!"

اس نے اپنی ناک کو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ حمید نے دیکھا کہ اس کی مصنوعی ناک غائب ہے اور اسکی جگہ پر ایک بڑا سا گہرا غار ہے۔ حمید نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ "جابر" اس کے منہ سے نکلا۔

جابر نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اپنی ناک لگاتے ہوئے بولا۔ "دیکھا یہ میرا ایک معمولی سا کرشمہ ہے۔ تمہارا استاد بھلا میرا مقابلہ کیا کر سکتا ہے۔"

"جابر میں یہ مانتا ہوں کہ بھیس بدلنے میں تم استاد ہو۔ فریدی کا بھیس اس صفائی سے بدلا ہے کہ کوئی تمہیں پہچان نہیں سکتا۔ میں خود تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کھا گیا تھا، لیکن یہ یاد رکھو کہ صورت سے فریدی بن سکتے ہو لیکن اس کی ذہانت نہیں پا سکتے۔" حمید نے جواب دیا۔

"خیر چھوڑو......آؤ میں تمہیں اپنے کبوتر دکھاؤں۔"

"یہ دیکھو جج صدیق احمد صاحب کا عزیز ترین کبوتر قمری۔ یہ بالکل اصل نسل کا ہے۔" جابر حمید کو لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"اور یہ نواب زادہ شاکر علی کا وہ افریقی "شیرازی" ہے جس کی مجھے عرصہ سے تلاش تھی۔ ان کی نسل بہت کم ہے۔ یہ صرف افریقہ کے جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی

خصوصیت یہ ہے کہ ان کے خون میں کچھ مٹھاس ہوتی ہے، جو انسان کے قلب کی ماہیت بدل دینے میں کار آمد ثابت ہوتے ہیں۔ اتفاقاً مجھے یہ کبوتر شاکر علی کے یہاں نظر آئے اور جس کے حاصل کرنے کے لئے مجھے ایک خون کرنا پڑا۔" جابر لال دھاگے سے بندھے ہوئے ایک کبوتر کو اٹھاتے ہوئے بولا۔ حمید کا...... بدبو کی وجہ سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے عاجز ہو کر کہا۔

"ہاں......ہاں میں نے سب دیکھ لیا۔"

"واہ...... لم پٹ کبھی تو تم نے دیکھا ہی نہیں۔" جابر نے ایک کبوتر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کبوتر ظفر علی صاحب کے ایک دوست ان کے لئے عرب سے لائے تھے۔"

"اس کی ہڈیاں بڑی کار آمد ہوتی ہیں۔ اس کے سفوف سے چہرے کا رنگ بدل دینے کا ایسا پاؤڈر تیار ہوتا ہے جو بغیر دواؤں کی مدد سے نہیں چھوٹتا۔ سوئٹزرلینڈ میں تین سال تک اس پاؤڈر کی مدد سے اپنا رنگ بدلے ہوئے تھا اور یہ جانتا ہے، یہ جوگی بیر، یہ غفوری، یہ لٹھما، یہ گرہ باز......" جابر نے مختلف کبوتروں کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا اب تم چلو آرام کرو...... مجھے تمہارے استاد سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

جابر نے حمید کو ایک نقاب پوش کے حوالہ کیا اور خود اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے الماری کا پردہ ہٹایا۔ "کہئے فریدی صاحب جابر کی طاقت کا آپ کو اندازہ ہو گیا۔ اب بھی بہتر ہے کہ تم میرے راستے سے ہٹ جاؤ......" جابر نے فریدی کا منہ کھولتے ہوئے کہا۔ فریدی نے تھک کر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"اچھا اب تم الماری میں سے نکل آؤ۔"

جابر نے فریدی کے ارد گرد لپٹی ہوئی رسیوں کو کھول دیا لیکن اسکے ہاتھ بندھے رہنے دیئے۔ رسی کھلتے ہی فریدی فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔ جابر اس کو ہوش میں لانے کے لئے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی کو ہوش آ گیا۔

"فریدی تمہاری ذہانت کا مجھے اقرار ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے خون سے اپنے ہاتھ رنگوں، بہتر ہے تم مجھے وہ دونوں کتابیں "روح اور اس کی ماہیت" اور "قلمی خاکے" واپس کر کے میرا پیچھا چھوڑ دو۔ ان کتابوں کو حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا کیا کرنا پڑا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔"

"جابر اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس وقت تمہارے بس میں ہوں اور ڈر کے مارے میں اپنے

فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔ تو تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ میں تم جیسے لوگوں کو جو ایک خطرناک زہر کی طرح سے انسانوں کی زندگیاں تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہوں، ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ میں اگر موت سے ڈرتا تو یہ پیشہ اختیار ہی نہ کرتا۔ تمہارے ہاتھ میں پستول ہے تم مجھے ختم کر سکتے ہو...... لیکن وہ کتابیں...... جن سے تم اور تمہاری برادری غلط فائدہ اٹھاتی رہے گی میں کبھی تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔"

"فریدی......!" جابر نے غصہ سے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم اپنے فیصلہ پر پھر ایک بار غور کرو۔ تم نے اب تک مجھے کافی نقصان پہنچایا ہے اور میں تا لتا رہا۔ لیکن اس بار میں اتنے بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

"نقصان...... اور تمہارا، جیسے وہ کتابیں تمہارے باپ دادا کی ملکیت ہیں۔"

"حد سے مت بڑھو فریدی، تم بھول رہے ہو کہ اس وقت تم جابر سے باتیں کر رہے ہو۔"

"اور جابر تم بھی یہ نہ بھولو کہ آج تم۔ نے نواب رشید الزماں وغیرہ کے ساتھ جو ذلیل برتاؤ کیا ہے، اس سے میرا خون کھول رہا ہے۔"

"ابھی کیا کیا ہے۔" اگر تم نے میری بات نہیں مانی تو اس سے بھی بُرا نتیجہ ہوگا...... خیر...... اس وقت رات کے گیارہ بجے ہیں، میں کل بارہ بجے رات تک تم کو موقع دیتا ہوں، کیونکہ کل رات مجھے سیٹھ چنی لال کی لڑکی کے گلے سے ہیرے کا ہار اور ہرن ترائن اینڈ سنس کی تجوری سے صرف پچاس ہزار لینے ہیں اور لگے ہاتھوں رشید الزماں سے بھی ملاقات کروں گا...... دوبارہ مل کر وہ ضرور خوش ہوں گے اور اس تحریر کے ذریعہ کچھ روپے بھی مل جائیں گے۔" جابر ہنسا۔ "جانتے ہو، فریدی مجھے تمہارا بھیس اور آواز بدلنے کے لئے کافی عرصہ تک محنت کرنی پڑی ہے اور اب میں اتنا کامیاب ہو گیا ہوں کہ نواب رشید الزماں، غزالہ اور ماتھر کوئی بھی مجھے نہیں پہچان سکا۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ حمید بھی تھوڑی دیر کے لئے دھوکا کھا گیا تھا۔"

"حمید کیا میں خود تمہیں ایک نظر میں نہیں پہچان سکا تھا۔ لیکن جابر یاد رکھو کہ تم زیادہ عرصہ تک لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ ایک فریدی مر سکتا ہے، لیکن یہ نہ بھولو کہ ہزاروں فریدی پیدا ہو سکتے ہیں۔" فریدی بولا۔

"مجھے پرواہ نہیں...... میں اپنے راستے میں آئے ہوئے لوگوں کو ایک معمولی پتھر کے

ٹکڑے کی طرح اپنی ٹھوکر سے ہٹا دیتا ہوں۔"

"اچھا اب میں چلا...... ٹھیک بارہ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا...... تم اپنا فیصلہ سوچ رکھنا۔"

جابر یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا اور فریدی کو کمرے میں بند کر دیا۔

بچ گیا

رات بھر جاگنے کی وجہ سے نواب رشید الزماں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب غزالہ کنور ظفر علی خاں سے رات کے گذرے ہوئے واقعات بیان کر رہی تھی۔

"پھر آپ لوگ یہاں تک کس طرح پہنچیں۔" کنور ظفر علی نے سوال کیا۔

"ہم لوگوں کو آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایک موٹر پر بٹھا دیا گیا اور تین چار گھنٹہ تک چلنے کے بعد ہم ایک سنسان جگہ پر اتار دیے گئے۔ ہمارے ہاتھوں کی رسیاں کھول دی گئیں اور ہم لوگ کافی عرصہ تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہے پھر ماتھر صاحب کو راستہ یاد آ گیا اور ہم لوگ یہاں پہنچ گئے۔"

"لیکن اس فعل سے فریدی کا کیا مقصد تھا......" کنور ظفر علی کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"کنور صاحب اب اس کا نام نہ لیجئے۔ اس دنیا میں اب کسی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" غزالہ غمگین آواز میں بولی۔

"کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم لوگوں نے دھوکہ کھایا ہو اور فریدی کے بجائے وہ کوئی دوسرا شخص رہا ہو۔"

"نہیں کنور صاحب وہ فریدی ہی تھے۔ وہی صورت وہی لب و لہجہ۔" غزالہ نے تردید کی۔

"اور سارجنٹ حمید کہاں ہیں۔" کنور نے سوال کیا۔

"ان کا کچھ پتہ نہیں۔" غزالہ بولی۔

"اچھا اب تم آرام کرو، بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو۔ میں ذرا ماتھر صاحب کے یہاں جا رہا ہوں...... فریدی پر مجھے پہلے ہی سے شبہ تھا۔"

"بہر حال اب معاملہ خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔"

کنور ظفر علی غزالہ سے رخصت ہو کر سیدھے ماتھر صاحب کے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کنور صاحب ابھی تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ ایک موٹر تیزی سے ان کے قریب ہی ایک کاغذ کا ٹکڑا گراتی ہوئی گذر گئی۔ انہوں نے اُسے اٹھا کر پڑھا، لکھا تھا۔

"سنتا ہوں کہ میں فریدی صاحب کا قیدی ہوں، لیکن یقین نہیں آتا، آج رات کو یہ لوگ رائے بہادر شمبھر سنگھ کی کوٹھی پر چھاپہ مارنے والے ہیں۔

حمید۔"

کنور ظفر علی خاں نے وہ پرزہ اپنی جیب میں رکھا اور تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا ماتھر صاحب کے بنگلہ پر پہنچ گیا۔

ماتھر صاحب ابھی ابھی سو کر اٹھے تھے۔ کنور صاحب کی آمد کی اطلاع سن کر وہ فوراً باہر آ گئے۔

"کیا بتاؤں کنور صاحب رات......!"

"مجھے غزالہ سے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ واقعی یہ نہایت حیرت انگیز واقعہ ہے۔"

"آپ کس نتیجہ پر پہنچے۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"بھئی ابھی تک تو کچھ بھی سوچنے اور سمجھنے کا موقع نہیں ملا۔" ماتھر صاحب نے سگریٹ کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں...... ابھی جب میں آپ کے یہاں آ رہا تھا تو ایک نیا واقعہ پیش آیا۔" کنور ظفر علی نے وہ پرزہ دکھایا جو موٹر سے گرایا گیا تھا۔

ماتھر نے وہ پرزہ پڑھتے ہی جلدی سے سوال کیا۔ "آپ نے موٹر کا نمبر دیکھا تھا۔"

"جب تک میں پرزہ اٹھاؤں، موٹر بہت دور نکل چکی تھی اور پہلے سے اس بات کا علم تو تھا نہیں کہ فوراً نمبر نوٹ کر لیتا۔" کنور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اتنے میں نوکر چائے لے کر آ گیا۔

"اچھا آیئے کنور صاحب..... اب چائے پی لی جائے۔" ماتھر پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے بولے۔

"حمید کی اس تحریر پر کیا کاروائی کیجئے گا۔" کنور نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

گردن سے نہ لپٹ جاتا تو گر جانا یقینی تھا۔

حمید نے نیچے اتر کر اُسے دو چار تھپکیاں رسید کر کے لگام چھوڑ دی...... خچر ڈھلوان میں دور تک چلا گیا۔

"اے صاب اے صاب۔" خچر والا پیچھے سے چلایا اور وہ اینگلو انڈین لڑکی اپنے ساتھیوں سمیت قہقہے لگانے لگی۔ حمید کو اس کی سریلی آواز زہر معلوم ہونے لگی۔ اس نے پلٹ کر قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ فریدی بھی اپنے خچر پر سے اتر پڑا تھا۔

خچر والا حمید کے خچر کو پکڑنے کے لئے دوڑا جا رہا تھا۔

"کیوں بھئی یہ کیا کیا تم نے۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"اب بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے کسی اونچی چٹان سے نیچے دھکیل دیں۔" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"نہیں میں اسے مناسب نہیں سمجھتا۔" فریدی نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں نے بہت برا کیا کہ آپ کے ساتھ چلا آیا۔" حمید بولا۔

"لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا"

"میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔"

"غلط.... میں باندھ کر لاتا۔" فریدی نے کہا۔ "بھلا تمہارے بغیر خاک لطف آتا۔"

"آخر آپ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔"

"بہت پرانے بدلے چکا رہا ہوں۔"

"تو اس کے لئے اتنا لمبا سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"ایڈونچر......!"

اتنی دیر میں خچر والا خچر کو واپس لے کر وہیں آ گیا۔

"چلو بیٹھو......!" فریدی بولا۔

"ہرگز نہیں۔"

"عجیب احمق آدمی ہو۔"

"کچھ بھی سہی۔"

"بیٹھو بیٹھو......!" فریدی نے دوبارہ اصرار کیا۔

"مجھے یہ تحریر فرضی معلوم ہوتی ہے۔" ماتھر نے کہا۔

"بہر حال آپ جیسا مناسب سمجھے...... لیکن نواب صاحب کی اس تحریر کے متعلق کیا ہوگا، جسے فریدی نے زبردستی لکھوایا ہے اور اس پر آپ کے بھی دستخط ہیں۔"

"ہاں یہ معاملہ قانونی طور پر ذرا اہم ہے، بہر حال آج میں انسپکٹر جنرل کو فون کر کے تمام واقعات ان سے بیان کرتا ہوں۔ آپ ذرا تکلیف کر کے نواب صاحب اور مسٹر طارق سے کہہ دیجئے کہ وہ مجھ سے دفتر میں ضرور مل لیں۔"

"اچھی بات ہے...... تو اب مجھے اجازت دیجئے۔ ذرا نواب صاحب کا خیال رکھئے...... غزالہ بے حد پریشان ہے۔"

"ہاں...... میں اپنی پوری کوشش کروں گا، زیادہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔" ماتھر نے تسلی دی۔

کنور ظفر وہاں سے رخصت ہو کر سیدھا گھر پہنچا۔ نواب رشید الزماں اور طارق کو ماتھر صاحب کے یہاں بھیج کر وہ سعیدہ اور غزالہ کی باتیں سننے لگا۔

"مجھے سخت تعجب ہے کہ فریدی نے کنور ظفر کو کیسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ ظفر صاحب ان کے خلاف رہتے ہیں اور ایک مرتبہ وہ ان کو پستول کا نشانہ بھی بنانے جا رہے تھے۔"

"مجھے خود اس بات سے حیرت ہے۔" کنور ظفر بولے۔

"خیر...... ہوگا تم لوگ باتیں کرو، میں کھانا کھانے جا رہا ہوں۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔" کنور کھانا کھا کر کافی دیر تک کتاب پڑھتے رہے اور کتاب پڑھتے پڑھتے سو گئے۔

ان کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب ریحانہ انہیں جگا رہی تھی۔ شام ہو چکی تھی۔ وہ جلدی سے اٹھے اور منہ ہاتھ دھو کر برآمدے میں نکل آئے جہاں نواب رشید الزماں اور طارق بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔

"کہئے ماتھر صاحب نے کیا کہا۔" کنور ظفر نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں...... وہ اس وقت مشغول تھے۔ حمید کے اس خط پر جو تم کو ملا تھا انہوں نے احتیاطاً وہاں پولیس تعینات کر دی ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے ضروری احکامات صادر کر دیے۔ آج رات کو وہ خود یہاں آئیں گے۔ اس وقت مفصل باتیں ہوں گی۔"

نواب رشید الزماں طارق اور کنور صاحب میں کافی دیر تک اسی موضوع پر گفتگو ہوتی رہی کہ کھانے کا وقت آ گیا۔ نواب صاحب اور طارق کھانا کھانے چلے گئے۔ کنور کو بھوک نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور وہ سعیدہ سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد وہ لوگ پھر آ کر دالان میں بیٹھ گئے۔

"ابھی تک ماتھر صاحب نہیں آئے۔" نواب رشید الزماں صاحب بولے۔

"ہاں ان سے یہ ضرور کہہ دیجئے گا کہ وہ پولیس یہاں تعینات کر دیں کیونکہ غزالہ بے حد خوف زدہ ہے۔" سعیدہ نے نواب صاحب سے کہا۔

اتنے میں کچھ آہٹ سنائی دی۔ طارق نے کہا۔ "لو شاید ماتھر صاحب آ گئے۔"

سب کی نظریں اٹھ گئیں۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا کہ یکایک ٹارچ کی چار پانچ تیز روشنیاں ان کے چہروں پر پڑنے لگیں جس سے سب کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ دوسرے لمحہ روشنی بجھ چکی تھی اور ایک آدمی سیاہ نقاب ڈالے پستول لئے ہوئے کھڑا تھا۔ پیچھے تین نقاب پوش اور کھڑے تھے۔

سعیدہ کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ کنور ظفر علی اور نواب صاحب چلانا ہی چاہتے تھے کہ اس نے پستول سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے راہول ڈاکو کہتے ہیں۔" نقاب پوش بولا۔ "لیکن نواب صاحب مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے اور ہمدردی صرف اس لئے ہے کہ اس میں میرا فائدہ ہے۔ میں نے آپ کی وہ تحریر حاصل کر لی ہے جسے آپ فریدی کو لکھ کر دے آئے تھے۔" اس نے نواب کی تحریر جیب سے نکالتے ہوئے دکھایا۔

نواب صاحب نے ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہریئے۔" وہ بولا۔ "اس تحریر کے لئے آپ کو صرف پندرہ ہزار روپے دینے پڑیں گے۔ جلدی کیجئے۔"

"لیکن......!"

"کچھ نہیں اگر آپ کے پاس روپے نہ ہوں تو اپنی یہ ہیرے کی انگوٹھی اتار دیجئے۔ بہت جلد...... میرے پاس وقت نہیں۔ میں زبان کا پکا ہوں...... انگوٹھی ملتے ہی یہ تحریر آپ کو

مل جائے گی۔"

نواب صاحب نے مجبوراً اپنی انگوٹھی اتار کر اس کے حوالے کر دی۔

"یہ لیجئے اپنی تحریر۔" اس نے کاغذ نواب صاحب کی طرف پھینکا اور پستول دکھاتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ کچھ فاصلہ پر پہنچ کر اس نے کوئی چیز ان لوگوں کی طرف فرش پر پھینکی جس کے گرنے سے سب لوگوں کی آنکھوں میں دھواں بھر گیا اور پانی بہنا شروع ہوا۔

تھوڑی دیر بعد جب گیس کا اثر زائل ہو گیا تو کنور صاحب بولے "معاملہ سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہاں یہ سب پولیس کی غفلت کا نتیجہ ہے۔" طارق نے تائید میں کہا۔

"ابھی میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ اس شفیق کے عالم میں سب مجھے ہی نشانہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آخر میں نے ان لوگوں کا کیا بگاڑا ہے۔" نواب رشید الزماں نے روندھے ہوئے لہجے میں کہا۔

غزالہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس کے سوچنے کی طاقت جواب دے چکی تھی۔ وہ فریدی جس کے لئے اس نے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی تھی اس نے کیسا بُرا سلوک کیا ہے۔ پھر دوسروں سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے۔

"بیٹی زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اب میں نواب صاحب کو یہی رائے دوں گا کہ وہ جلد سے جلد واپس لوٹ چلیں۔" طارق نے غزالہ کو تسلی دی۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فریدی ہانپتا ہوا آتا دکھائی دیا۔ اس کے کپڑے مٹی سے بھرے ہوئے تھے اور منہ پر جا بجا خراشیں پڑی ہوئی تھیں۔

کنور ظفر علی فریدی کو دیکھتے ہی اس کی طرف غصہ سے بڑھے۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی کھڑے ہو گئے۔

"ٹھہریئے۔" فریدی بولا۔ "آپ لوگوں کو زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔"

"دھوکا...... بے ایمان کہیں کا۔" کنور ظفر علی نے بڑھ کر فریدی کا گریبان پکڑا۔ "میں کہتا ہوں خدا کے لئے میری بات سن لیجئے۔ صرف دو منٹ کے لئے ورنہ دشمن ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اگر مجھے آپ لوگوں کو دھوکا دینا ہوتا تو میں خالی ہاتھ یہاں کبھی نہ آتا۔ وہ جابر تھا جس نے

میرے بھیس میں آپ لوگوں کو گرفتار کیا۔ وہ یہاں بھی آنے والا ہے، آپ کی تحریر دکھا کر آپ بلیک میل کرے گا۔ میں خود اس کی قید میں تھا۔ بڑی مشکلوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ یہ دیکھیے میرے ہاتھ جل گئے ہیں۔" فریدی ایک ہی سانس میں سب کہہ گیا اور اس نے اپنے ہاتھ دکھائے جو بُرے طرح جل گئے تھے۔

کنور کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور وہ فریدی کو چھوڑ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ نواب رشید الزماں اور طارق بھی غور سے اس کو دیکھنے لگے۔

"نہیں بیٹا واقعی ہم لوگوں کو بہت زبردست دھوکا دیا گیا ہے۔ مجھے تو خود حیرت تھی کہ تم کیا کر رہے ہو۔ بس پہچان نہیں سکے۔"

"ہاں...... اور اس نے چالاکی یہ کی تھی کہ آپ لوگوں کو ہوش میں لانے سے پہلے لیمپ کی روشنی بھی کم کر دی گئی تھی کہ چہرے کے خدوخال صاف طور سے نظر نہ آئیں۔ اچھا یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔"

"وہ یہاں آتا ہی ہوگا...... اس لیے ہم لوگوں کو تیار ہو جانا چاہیے۔ میں نے حمید کو ماتھر صاحب کے بنگلہ پر روانہ کر دیا ہے۔ وہ آتے ہی ہوں گے۔" فریدی بولا۔

"لیکن ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ چار نقاب پوش آئے تھے، جس میں سے ایک اپنے کو راہول بتاتا تھا، اور وہ نواب صاحب کو یہ تحریر دے کر ان کی ہیرے کی انگوٹھی لے گیا۔"

"لے گیا......!" فریدی نے اس طرح کہا جیسے اسے اس کا پہلے سے یقین رہا ہو۔

اتنے میں ماتھر صاحب بھی آ گئے اور نواب رشید الزماں نے "راہول" کی تازہ واردات کی تفصیل بیان کرنا شروع کر دی۔

"اوہ...... فریدی...... اگر حمید مجھ سے تمام واقعات نہ بیان کرتا تو میں دھوکے میں تمہیں ضرور گرفتار کر لیتا...... !" ماتھر صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"اچھا ماتھر صاحب وقت بہت کم ہے۔ جلدی کیجیے ورنہ دشمن پھر ہاتھ سے نکل جائے گا۔ غالباً آپ نے چنی لال اور ہری نرائن اینڈ سنز کے یہاں پولیس کا مکمل انتظام کر دیا ہوگا۔" فریدی بولا۔

"ہاں...... میں نے وہاں کے لیے تمام انتظامات مکمل کر دیے اور کل رات کے حادثہ کی اطلاع میں نے فون کے ذریعہ انسپکٹر جنرل کو کر دی تھی۔ وہاں سے بہت سخت احکامات ملے ہیں۔ وہ

پرسوں خود یہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"اچھا.......خیر.......اب جلدی کرنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

لیکن ابھی تک حمید نہیں آئے۔" ماتھر بولے۔

"وہ آجائیں گے، میں نے انہیں پتہ بتادیا ہے، اب چلئے......احتیاطاً آٹھ دس کانسٹیبلوں کو یہاں چھوڑ دیجئے اور آپ لوگ اطمینان سے سویئے۔ پولیس آپ لوگوں کی حفاظت کے لئے ہے۔ کوئی ڈرنے کی بات نہیں۔" فریدی نواب رشید الزماں سے مخاطب ہو کر بولا۔

فریدی اور ماتھر سپاہیوں کو لے کر نواب زادہ شاکر کے کتب خانے کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر فریدی کی ہدایت کے مطابق پولیس نے لائبریری کا اچھی طرح محاصرہ کر لیا اور خود فریدی، ماتھر اور دو انسپکٹر پولیس لائبریری کے دروازے کے سامنے کچھ فاصلہ پر چھپ کر بیٹھ گئے۔

"آپ کی گھڑی میں کیا بجا ہے؟" فریدی نے ماتھر سے دریافت کیا۔

"گیارہ بج کر پندرہ منٹ......!"

"بس وہ آیا ہی چاہتا ہے، کیونکہ بارہ بجے تک اس کو یہاں ضرور پہنچ جانا چاہئے۔"

اتنے میں کوئی شخص تیزی سے لائبریری کی طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔

"وہ دیکھئے کوئی آرہا ہے۔" ایک انسپکٹر نے اشارہ کیا۔

ماتھر نے پستول سنبھالا۔

"ٹھہریئے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "یہ حمید ہے۔"

حمید فریدی کے قریب آکر بولا۔ "ابھی تک دونوں جگہوں پر کوئی واردات نہیں ہوئی۔"

"ہائیں......!" فریدی نے تعجب سے کہا۔

"جی ہاں......بہر حال پولیس وہاں موجود ہے۔"

"اچھا......خیر تم بیٹھ جاؤ۔" اور فریدی کچھ سوچنے لگا۔

بیٹھے بیٹھے جب کافی عرصہ ہو گیا تو فریدی نے پھر وقت پوچھا۔ "اب ٹھیک بارہ بجے ہیں......!" ماتھر نے جواب دیا۔

فریدی تشویش بھرے لہجے میں بولا۔ "اب قید خانے کے اندر چلنا چاہئے۔"

"لیکن وہاں پھر کوئی نئی مصیبت نہ پیش آجائے۔" حمید بولا۔

"جو کچھ بھی ہو لیکن اب ہم لوگوں کو اندر چلنا ہی پڑے گا کیونکہ مجھے یقین ہو رہا ہے کہ وہ کچھ بھانپ گیا ہے۔"

"چلئے، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو "کبوتر خانہ" بہت پسند آگیا۔" حمید انھتے ہوئے بولا۔

فریدی، حمید، ماتھر اور وہ دونوں سب انسپکٹر لائبریری کی طرف روانہ ہوئے۔ لائبریری میں پہنچ کر فریدی نے قالین ہٹایا اور ایک چھوٹا بٹن جو فرش میں لگا ہوا تھا۔ اس کو دبایا۔ تختہ ہٹ گیا جس سے اندر کا کمرہ صاف نظر آنے لگا۔ فریدی پستول لئے ہوئے آہستہ سے اس میں کودا، پھر حمید، ماتھر اور انسپکٹر بھی کمرے میں کود پڑے۔ اندر بالکل اندھیرا تھا۔ فریدی نے ٹارچ جلائی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ البتہ تمام چیزیں بکھری ہوئی پڑی تھیں اور کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

"کمرے کا دروازہ کیسے کھلا، یہ تو باہر سے بند تھا۔" فریدی بولا۔

"اچھا حمید تم پچھلے دروازے سے جدھر سے میں تمہارے پاس آیا تھا کچھ سپاہیوں کو لے کر داخل ہو جاؤ۔ ذرا ہوشیار رہنا۔"

حمید چھت پکڑ کر اوپر چڑھ گیا اور فریدی اس کمرے سے باہر نکلا۔ ٹارچ کی روشنی میں اس نے دیکھا کہ چار آدمی زمین پر مردہ پڑے ہوئے ہیں۔

"دیکھا آپ نے...... مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ وہ بھاگ گیا۔" فریدی ماتھر سے مخاطب ہوا۔

"لیکن اس میں بھی اس کی کوئی چال نہ ہو۔" ماتھر بولا۔

اتنے میں حمید بھی سپاہیوں کو لے کر دوسرے دروازے سے داخل ہوا۔ تہہ خانے کا کونہ کونہ دیکھا گیا، لیکن وہاں کوئی نہ تھا سوائے اس کے کہ "کبوتر خانے" پر ان لوگوں کو دو لاشیں اور ملیں۔

فریدی یک بیک، کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"ماتھر صاحب جلدی سے ایک موٹر کا انتظام کیجئے۔ وہ یہاں سے بچ کر نکل گیا۔ لیکن ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے ان ساتھیوں کو مار گیا ہے۔"

سب لوگ جلدی سے تہہ خانے سے نکل آئے اور فوراً ایک سپاہی کو موٹر لانے کے لئے

بھیجا۔ فریدی بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک پیدا ہو گئی تھی۔

"حمید ذرا میرے ساتھ آؤ۔" فریدی حمید کو لئے ہوئے پھر تہہ خانے میں داخل ہوا اور باہر کے کمرے کا اچھی طرح جائزہ لینے لگا۔ وہ میز کی دراز کو کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا جس میں چند غیر ضروری کاغذات کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ پھر اس نے ادھر اُدھر کچھ تلاش کیا لیکن کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس کے لئے کار آمد ثابت ہوتی...... البتہ اس نے الماری میں سے چند خطوط اور کچھ کاغذات نکال کر اپنی جیب میں رکھے اور حمید سے بولا۔ "جلدی چلو۔"

دونوں جیسے ہی باہر نکلے ویسے ہی موٹر آگئی۔ ماتھر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سب لاشوں کو اٹھا کر کوتوالی لے جائیں اور کچھ سپاہی یہاں رہ جائیں۔

موٹر پر ماتھر اور دونوں انسپکٹر پولیس اور چند سپاہی بیٹھ گئے۔

"حمید تم بھی بیٹھ جاؤ۔" فریدی کہتا ہوا ڈرائیور کی بغل میں بیٹھ گیا۔ "اختر لاج" جلدی چلو۔ فریدی نے ڈرائیور سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد موٹر اختر لاج کے سامنے کھڑی تھی۔ فریدی کود کر اترا اور سیدھا سعیدہ کے کمرے کی طرف بڑھا۔ سعیدہ کے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ فریدی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔

"کون......!" سعیدہ نے پوچھا۔

"میں ہوں فریدی۔"

سعیدہ نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔ "کہئے خیریت تو ہے؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے، پہلے یہ بتاؤ کہ لیفٹیننٹ باقر کی تم سے کب ملاقات ہوئی تھی؟"

"تین روز پیشتر...... مگر آپ اس قدر گھبرا کر بھیا کو کیوں پوچھ رہے ہیں۔" سعیدہ نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں تم پریشان نہ ہو...... یہ میں بعد میں بتادوں گا۔"

"انہوں نے تم سے کچھ بتایا تھا......؟" فریدی نے سوال کیا۔

"ہاں...... وہ یہ کہہ رہے تھے کہ میں ایک کام سے کلکتہ جانے والا ہوں۔" سعیدہ نے جواب دیا۔

"ہوں...... اور کچھ کہہ رہے تھے۔"

"نہیں۔"

"اچھا اب میں جا رہا ہوں، وقت بالکل نہیں، پھر تمام واقعات بتاؤں گا۔ نواب صاحب وغیرہ سے کہہ دینا کہ جابر بچ کر نکل گیا۔ ہم لوگ اس کا پیچھا کرنے جا رہے ہیں۔" فریدی یہ کہتا ہوا تیزی سے نکلا اور موٹر میں آ کر بیٹھ گیا۔

سمندری لڑائی

رات کے دو بجے تھے، موٹر تیزی سے سڑک کو پیچھے چھوڑتی ہوئی بھاگی جا رہی تھی۔ فریدی ڈرائیور سے اور تیز چلنے کو کہہ رہا تھا۔

"لیکن مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں......!" فریدی نے دریافت کیا۔

"اس لئے کہ ابھی ملک الموت اس آدمی کی روح قبض کرنے کے لئے تشریف لائیں گے اور کہیں وہ بھولے سے ہم لوگوں کی طرف گھوم پڑے تب......؟" حمید نے اس طرح معصومانہ انداز میں کہا کہ سب کو ہنسی آ گئی۔

"تم اپنی حرکت سے باز نہیں آؤ گے حمید......!" فریدی بولا۔

"اور یہی شکایت مجھے آپ سے ہے، بیٹھے بٹھائے ایک مصیبت مول لی ہے۔ نہ معلوم بیچاری "شہناز" کا کیا حال ہے۔" حمید نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اچھا آپ اپنی بکواس ختم کیجئے۔"

"لیکن میں پھر آپ سے کہتا ہوں جیسا کہ میں نے اس کی گفتگو سنی ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ہنڈیاں جو اس نے حاصل کی ہیں وہ ۲۰ تاریخ کے بعد بیکار ہو جائیں گی۔ آج پندرہ تاریخ ہے اس لئے میرا خیال ہے کہ وہ کلکتہ میں بالکل قیام نہیں کرے گا بلکہ سیدھا جنیوا جائے گا

اس لئے ہم لوگوں کو کلکتہ پہنچنے کے بعد فوراً ہوائی اڈے پر پہنچنا چاہئے۔" حمید نے کہا۔

"تم بالکل ٹھیک کہتے ہو...... ہم لوگوں کو سیدھا ہوائی اور بحری اڈے پر پہنچنا چاہئے۔" فریدی بولا۔

راستے بھر فریدی ڈرائیور سے موٹر کی رفتار تیز کرنے کی تاکید کرتا رہا۔ سنسان سڑک پر موٹر اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ لیکن فریدی چاہتا تھا کہ کسی طرح اڑ کر جلدی سے کلکتہ پہنچ جائے۔

"ڈرائیور...... اور تیز......!" فریدی نے کہا۔

"حضور موٹر اپنی پوری رفتار میں ہے......" اس نے جواب دیا۔

فریدی "اچھا" کہہ کر چپ ہو گیا اور وہ کلکتہ پہنچنے کے بعد کے پروگرام سوچنے لگا۔

دن کافی چڑھ چکا تھا۔ حمید کا مارے بھوک کے برا حال تھا۔ کیونکہ آج کئی روز سے اُسے قاعدے سے کھانا نہیں ملا تھا۔ لیکن فریدی کے ڈر سے بالکل خاموش تھا۔

کلکتہ قریب آ گیا تھا کیونکہ آبادی کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد موٹر شہر میں داخل ہوئی۔

ہوائی اڈے پر پہنچ کر فریدی کو معلوم ہوا کہ کل رات سے اس وقت تک کوئی جہاز جنیوا نہیں گیا۔ اب فریدی نے ڈرائیور سے بحری اڈے پر چلنے کو کہا۔

وہاں جا کر وہ بحری آفیسر سے ملا اور اپنا "آئی ڈینٹی کارڈ" دکھاتے ہوئے بولا۔ "ہم لوگ رام گڑھ سے ایک بہت بڑے مجرم کا پیچھا کرتے ہوئے آ رہے ہیں، جس نے اب تک مختلف مقامات پر ہزاروں خون ڈاکے اور بلیک میل کی وارداتیں کی ہیں۔ وہ بھیس بدلنے کا ماہر ہے۔ اس کا پکڑا جانا بیحد ضروری ہے۔ کیا کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ وہ جنیوا اترنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جائے۔"

"یہاں سے وائرلیس کیا جا سکتا ہے، لیکن جب وہ بھیس بدلنے کا ماہر ہے تو وہ کیسے پہچانا جا سکتا ہے۔" بحری آفیسر نے جواب دیا۔

"نہیں وائرلیس سے کام نہیں چل سکتا کیا "یو بوٹ" کے ذریعہ ہم لوگ جہاز کا پیچھا نہیں کر سکتے؟"

"لیکن یو بوٹ کے لئے آپ کو انسپکٹر جنرل پولیس اور کمانڈنٹ چیف آفیسر آف ایسٹرن کمانڈ سے اجازت لانا ہو گی۔" بحری آفیسر نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" فریدی یہ کہتا ہوا سب لوگوں کو لے کر انسپکٹر جنرل کے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

جیسے ہی ماتھر نے اپنا کارڈ بھیجا آئی جی نے فوراً ان لوگوں کو بلوا لیا، وہ ماتھر کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں تو خود کل آپ کے یہاں آرہا تھا...... وہ انٹرنیشنل ڈاکو ہے اور اس نے گورنمنٹ کے کچھ تجارتی کاغذات بھی حاصل کر لئے ہیں۔ اس کا گرفتار ہونا بے حد ضروری ہے۔"

فریدی اور ماتھر نے مختصراً تمام حالات بیان کئے، جسے سن کر آئی جی نے فریدی سے کہا۔

"مسٹر فریدی ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں کہ آپ نے اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ لیکن کیا آپ کو اس کا یقین ہے کہ وہ اسی جہاز سے جنیوا گیا ہو گا اور اس نے اپنا حلیہ بھی بدل دیا ہو گا۔ آپ اسے کیسے پہچان سکتے ہیں؟" آئی۔ جی نے پوچھا۔

"یہ سب آپ میرے اوپر چھوڑ دیجئے۔ لیکن اگر ذرا بھی دیر کی گئی اور جہاز جنیوا پہنچ گیا تو پھر وہ ہاتھ نہیں لگ سکتا۔" فریدی بولا۔

"اچھا تو میں ابھی کمانڈنٹ ان چیف صاحب سے مل کر آتا ہوں، آپ لوگ میرا یہیں انتظار کیجئے۔" وہ بولے۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے بازار جاؤں گا کیونکہ اگر جہاز پر اس نے ہم لوگوں کو اصلی حالت میں دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔" فریدی نے کہا۔

آئی۔ جی صاحب تو کمانڈنٹ چیف کے یہاں روانہ ہو گئے، اور فریدی حمید کو لے کر بازار چلا گیا۔ ماتھر اور انسپکٹر وہیں ان لوگوں کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

فریدی بازار سے کچھ سامان خرید کر جب لوٹا تو معلوم ہوا کہ ابھی آئی جی صاحب نہیں تشریف لائے اور یہ سب لوگ چپڑاسی کے ساتھ باتھ روم میں چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی مارواڑی، ماتھر صاحب، پروفیسر اور انسپکٹر سیٹھ اور حمید جہاز کے خلاصی بنے ہوئے باتھ روم سے باہر نکلے۔

"میں اس سے زیادہ ایڈونچر چاہتا ہوں۔" حمید نے کہا۔

"یعنی......!"

"پیدل چلوں گا......" حمید نے کہا۔ "اور آپ کو بھی اس کی نصیحت کرتا ہوں پیدل چلنا صحت کے لئے مفید ہے۔"

"پاگل ہوئے ہو......ابھی چھ میل چلنا ہے۔"

"تو کیا ہوا......!"

"ارے بھئی یہ پہاڑی راستہ ہے۔ایک ہی میل چلنے میں کام تمام ہو جائے گا۔"

"یہی تو میں چاہتا ہوں۔" حمید لاپروائی سے بولا۔

"عجیب احمق سے واسطہ پڑا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ احمق کے خچر سے واسطہ نہیں پڑا۔" حمید نے کہا۔

"ارے بھئی بیٹھو بھی۔"

"قطعی نہیں......میں اپنے ایڈونچر کا خون نہیں کر سکتا۔" حمید بولا۔

"جہنم میں جاؤ......!" فریدی نے کہا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔

خچر والا خچر کی لگام پکڑے ہوئے حمید کے ساتھ ہی ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ تھوڑی دور جا کر فریدی بھی لوٹ آیا۔

"لے بھائی سنبھال اسے۔" فریدی اپنے خچر کی لگام بھی خچر والے کو تھماتے ہوئے بولا اور حمید کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔

"ذرا ان سرسبز پہاڑیوں کی طرف دیکھئے......کیا محسوس ہوتا ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ابھی تمہاری شامت آنے والی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"آئے شوق سے آئے......آخر شامت بھی مؤنث ہی تو ہے۔"

"یوں تو موت بھی مؤنث ہے میاں صاحبزادے۔"

"لیکن بہت بوڑھی ہو چکی ہے اس لئے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔" حمید مسکرا کر بولا۔

"خیر......شکر ہے کہ تم مسکرائے تو۔"

"تو میں رو کب رہا تھا۔"

آئی جی نے موٹر سے اترتے ہوئے جب ان لوگوں کو دیکھا پھر مسکرا کر بولے۔ "آپ لوگوں نے خوب بھیس بدلا ہے۔"

"اچھا یہ آرڈر لیجئے اور آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" آئی جی نے سوال کیا۔

"جی نہیں...... اب بقیہ کام ہم لوگ انجام دے لیں گے۔" فریدی نے کہا اور سب لوگوں کو لے کر موٹر کے ذریعہ بحری اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔

آئی جی نے بحری آفیسر کو فون کر دیا تھا "یو بوٹ" بالکل تیار کھڑی تھی۔

فریدی نے بحری افسر کو "حکم نامہ" دیتے ہوئے کہا۔ "غالباً آپ نے جہاز کے کپتان کو وائرلیس کر دیا ہو گا۔"

"ہاں میں نے اس کو ضروری ہدایات دے دی ہیں اور جہاز کی رفتار کم کر دینے کو بھی کہہ دیا ہے۔" آفیسر نے جواب دیا۔

"بس ٹھیک ہے...... حمید جلدی سے بیٹھو۔" فریدی "یو بوٹ" کے پاس آ کر بولا اور سب لوگ جلدی جلدی اس میں سوار ہو گئے اور یو بوٹ تیزی سے پانی کے اندر روانہ ہو گئی۔

"باپ رے باپ...... کتنا خطرناک سفر ہے۔" حمید ڈر کر بولا۔

فریدی نے اس کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور وقت دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس وقت گیارہ بجے ہیں۔ ہم لوگ اس سے صرف پانچ گھنٹہ پیچھے ہیں۔"

فریدی کے چہرے پر عجیب قسم کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ جسے صرف حمید ہی سمجھ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اس وقت فریدی کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ یو بوٹ تیزی سے سمندر کی گہرائیوں میں بھاگ رہی تھی۔

شام ہو چکی تھی، فریدی کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے کپتان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ صرف ایک گھنٹہ کا فاصلہ اور رہ گیا ہے۔ فریدی حمید وغیرہ کو ضروری ہدایات دینے لگا۔

ایک گھنٹہ بعد جہاز کا سگنل دکھائی دیا اور تھوڑی دیر بعد یو بوٹ جہاز کے بالکل قریب تھی۔

جہاز دو منٹ کے لئے رکا اور یہ لوگ جلدی جلدی جہاز کے بالکل نچلے حصے میں داخل ہو گئے، جہاز پھر روانہ ہو گیا۔

کپتان نے ان لوگوں کو پوشیدہ طور پر دوسرے درجے کے ایک کیبن میں پہنچادیا اور یہ لوگ ایک مسافر کی حیثیت سے سفر کرنے لگے۔

کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔ یہ لوگ کھانے کے میز پر آکر بیٹھ گئے۔ جہاں دوسرے مسافر پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حمید نے خلاصی کے بھیس میں آکر میز صاف کی، جس پر کھانا چن دیا گیا۔ لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے۔ فریدی کھانا کھاتا جاتا تھا اور مسافروں کو غور سے دیکھتا بھی جاتا تھا۔ لیکن کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب لوگ اپنے کیبن میں لوٹ آئے۔ تھوڑی دیر بعد حمید داخل ہوا۔

"کچھ پتہ چلا......!" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں......میں قریب قریب پورا جہاز گھوم آیا۔" حمید نے جواب دیا۔

"اچھا اب تم جاکر سو رہو......اب صبح دیکھا جائے گا۔ اس وقت ممکن ہے کسی کو ہم لوگوں پر شبہ ہو جائے۔" فریدی نے کہا۔

حمید چلا گیا۔ فریدی ماتھر اور دونوں انسپکٹر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ رہے۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ اور رات بھر جاگنے کی وجہ سے یہ لوگ فوراً سو گئے۔

صبح سویرے ہی فریدی کی آنکھ کھلی وہ اپنا لباس وغیرہ درست کر کے کیبن سے باہر نکلا۔ قریب قریب تمام مسافر جاگ چکے تھے، اوپر ڈیک پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے صبح کے سہانے منظر اور سمندر کی ٹھنڈی ہواؤں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ فریدی بھی ڈیک پر چڑھ گیا اور سمندر کی طرف دیکھنے لگا کہ یک بیک اس کی نگاہ ایک انگریز پر پڑی جو چمڑے کے ایک بٹوے سے تمباکو نکال کر سگریٹ بنا رہا تھا۔ فریدی نے غور سے بٹوے کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، اور وہ آہستہ آہستہ ڈیک سے اترنے لگا۔

ڈیک سے اترتے ہی وہ فوراً اپنے کیبن میں آ گیا۔ ماتھر اور دونوں انسپکٹر بھی جاگ چکے تھے۔

"آپ لوگ جلدی سے تیار ہو جائیے۔ دشمن مل گیا۔" فریدی نے ماتھر سے کہا۔

"کہاں۔!" ماتھر نے تعجب سے پوچھا۔

"انگریز کا بھیس بدلے ہوئے ڈیک پر کھڑا ہے۔ آپ لوگ ابھی اپنے اپنے پستول جیب میں

رکھ کر ڈیک پر فوراً پہنچ جائیے۔ لیکن اس کو ذرا بھی شبہ نہ ہونے پائے۔ میں کپتان کے پاس جا رہا ہوں تاکہ حمید کو آگاہ کر دوں۔"

فریدی یہ کہتا ہوا جلدی سے کپتان کے کیبن کی طرف روانہ ہو گیا اور حمید کو ہدایات دے کر وہ فوراً ڈیک پر پہنچ گیا۔

انگریز اطمینان سے سگریٹ کے لمبے لمبے کش کھینچ رہا تھا۔

"جابر اگر تم اپنی جگہ سے ذرا بھی ہلے تو گولی تمہارے سینے کے پار ہو گی۔"

اس نے پلٹ کر دیکھا تو ایک مارواڑی سامنے پستول تانے کھڑا تھا۔

انگریز کے چہرے پر پریشانی پھیل گئی...... لیکن فوراً ہی مسکراہٹ پیدا کرتا ہوا بولا۔

"مسٹر آپ کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے...... میں وہ......!"

اتنے میں ایک فائر کی آواز سنائی دی...... اور انگریز تیورا کر زمین پر گر پڑا...... ماتھر اور وہ دونوں انسپکٹر اس پر جھپٹے۔

فریدی چلایا...... لیکن وہ لوگ بالکل قریب پہنچ چکے تھے اور اب ماتھر کا پستول اس انگریز کے ہاتھ میں تھا۔

فضا میں دو فائروں کی آوازیں گونجیں...... انگریز کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا اور پستول زمین پر پڑا تھا...... اب انگریز ماتھر اور انسپکٹر کی گرفت میں تھا۔

"آپ لوگوں نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔" فریدی نے ماتھر سے کہا۔

"لیکن بھئی ابھی تک میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ پہلا فائر کیسا تھا۔" ماتھر بولا۔

"وہ دیکھئے......!" فریدی نے ڈیک کے کنارے اشارہ کیا...... جہاں ایک آدمی خون میں لت پت پڑا تھا...... "یہ جابر کا ساتھی ہے، جو پیچھے سے میرے اوپر حملہ کرنا چاہتا تھا...... اور حمید نے اس پر فائر کر دیا۔ فائر کی آواز سے اس نے یہ فائدہ اٹھایا جسے آپ لوگ نہ سمجھ سکے اور یہ دوسرا فائر آپ پر کرنا ہی چاہتا تھا کہ میں نے گولی چلا دی۔"

جابر کو گرفتار کر کے فریدی نے اس کے منہ پر کپڑا بندھوا دیا تھا اور اب یہ لوگ اسی "یوبوٹ" کے ذریعہ جابر کو لے کر واپس ہو رہے تھے۔

راستے میں حمید اور ماتھر نے فریدی سے بہت سوالات کئے لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "اب عدالت ہی میں میرا بیان سننا"

ماجرا سنئے

نواب زادہ شاکر کے قتل...... شہر میں آتش زدگی...... خون...... سرکاری تجارتی تمسکات کی چوری اور دوسرے دیگر الزامات کے سلسلے میں جابر کا مقدمہ آج عدالت میں پیش ہونے والا تھا۔ نوابزادہ شاکر کے قتل کے سلسلے میں کنور ظفر علی خاں پر دو مقدمے تھے۔ کمرہ عدالت میں ملزمان کے کٹہرے میں انہیں بھی دیکھا جا سکتا تھا۔ کنور ظفر کی آنکھیں آج پہلی بار چھلک رہی تھیں انہوں نے فریدی کی جانب کئی بار دیکھا اور اشاروں ہی اشاروں میں رحم کی درخواست کی۔

جابر تنہا کھڑا تھا۔ تماشائیوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ ایسے بھیانک آدمی کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ایک آدمی ایسی باتیں کس طرح کہہ سکتا ہے، جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ بذات خود حمید بھی جابر کے حالات سے زیادہ واقف نہ تھا۔ صرف یہی ایک معاملہ ایسا روکھا پھیکا ہوا تھا جس میں اسے کوئی عورت نہ مل سکی تھی اور اگر ملی بھی تو زبردستی بیوی بن کر چڑ کر دے گئی۔

آخر وہ عورت کون تھی؟

غزالہ اور نواب رشید الزماں بہت خوش تھے...... ان کا محبوب فریدی جابر کو پکڑ لایا تھا۔ کیسی کیسی بدگمانیوں کو انہوں نے اپنے دل میں جگہ دی تھی۔

بیچارہ طارق "شکاکی" کے افسوس میں تھا۔ مگر پھر بھی افسردہ نہ تھا۔

اداس صرف سعیدہ تھی۔ اس کا دل دعائیں مانگ رہا تھا کہ کنور صاحب بے گناہ ثابت ہوں۔ اس عدالت میں لیفٹیننٹ باقر کی عدم موجودگی بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ لوگوں کا خیال

تھا کہ شاید وہ عین وقت پر آئیں۔

غرضیکہ ہر شخص انسپکٹر فریدی کا بیان سننے کے لئے بے تاب تھا...... واقعات کچھ اس طرح ظہور میں آئے تھے کہ گرہیں جب تک نہ کھلیں جابر کا گرفتار ہونا ہی کافی نہ تھا۔

ٹھیک دس بجے مقدمہ کی کاروائی شروع ہوئی۔ پولیس کے مقامی افسران کے رسمی بیان کے بعد انسپکٹر فریدی کا بیان شروع ہوا۔

"میرے بیان کے تمام کاغذی ثبوت مسل میں شامل ہیں۔" فریدی نے اپنا بیان دیتے ہوئے کہا۔

"میں سب سے پہلے یہ غلط فہمی دور کر دینا چاہتا ہوں کہ لیفٹیننٹ باقر اور جابر دو علیحدہ شخصیتیں نہیں...... دراصل...... باقر اور جابر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں...... جابر کون ہے؟ اس پر تھوڑی سی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ تعلیم کا غلط استعمال اور انسانی خواہشات کا حد اعتدال سے آگے بڑھنا کس حد تک انسان کو گمراہ کر سکتا ہے۔ اس کی زندہ مثال جابر کی گذشتہ زندگی کے واقعات ہیں۔ مجرموں کے کٹہرہ میں کھڑا ہوا یہ ہیبت ناک اور بھیانک شخص آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کا فلسفہ میں ڈگری یافتہ ہے اور جرمنی کے زیورچ کالج سے شعبہ سائنس کا ایم۔اے ہے۔ اچھے خاصے عرصہ تک یہ پروفیسر بھی رہا ہے۔ اس کی ماں جرمن خاتون تھی اور باپ ہندوستانی۔ اس کی پیدائش ہندوستان میں ہوئی۔ حالات کی بدقسمتی کہ اس نے بچپن میں اپنے ہندوستانی ساتھیوں کے ہاتھوں کافی ذلت اٹھائی اور اس وقت سے اس کے دل میں ہندوستانیوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔ زمانہ شباب میں یہ لندن پہنچا۔ وہاں سے فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد یہ جرمنی گیا۔ وہیں سائنس کے تجربات اور نازیت کی بڑھتی ہوئی طاقت نے اس کا دماغ دوسرے راستوں پر ڈال دیا۔ ڈاکٹر گوئبلز کے محکمہ جاسوسی میں رہ کر اپنا بھیس بدلنے، آواز تبدیل کرنے کا طریقہ سیکھا اور اس سلسلے میں خود بھی اس نے کچھ ایجادات کیں۔"

لڑائی کے زمانے میں ایک تباہ کن گیس بناتے وقت اس کی ناک پر کچھ بھاپ آ گئی اور وہ گل گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ تھا۔

جرمنی کی ہار کے بعد اس کی مالی حالت گرنے لگی۔ اُسے کیمیا بنانے کا شوق ہوا، اور اسی شوق کی بنا پر اس کی ملاقات رنجیت نگر کے والی سنگرام سنگھ سے ہوئی اور اسی شوق نے موصوف کی جان

لی۔ موصوف کی جنسی بیماریاں محض ایک افسانہ ہیں۔ جابر کے زہر نے انہیں مارا۔ ان سے وہ نسخہ تو اسے نہ مل سکا لیکن رنجیت نگر کے راج کمار بننے کا شوق اسے ہندوستان کھینچ لایا۔ اس کے پہچاننے والوں میں سے دو اس کا شکار ہو گئے اور ایک اس وقت ساجد کے روپ میں گواہ ہے۔

بمبئی ہی میں اسے پتہ لگا کہ نواب زادہ شاکر رام گڑھ کا مشہور نواب سونا بنانے کا نسخہ رکھتا ہے۔ اس کے پاس کچھ ایسی کتابیں ہیں جن کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے انسان ہزارہا سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔ جابر نے نواب زادہ شاکر سے خط و کتابت کی۔ مگر اس میں اسے ناکامیابی ہوئی۔

وہ رام گڑھ آیا۔

نواب زادہ شاکر کے شریک کار کنور ظفر علی خان بھی تھے۔ سونا تیار ہو جانے کے بعد نواب زادہ شاکر نے کنور صاحب کو حصہ دینے سے انکار کیا۔ اپنی ایک کتاب پر کنور صاحب نے نواب زادہ کو دھمکی دی کہ اگر انہوں نے اس کا حصہ نہ دیا تو وہ اسے جان سے مار ڈالیں گے اور اس کے بعد رات میں وہ پھر نواب زادہ سے ملے۔ انہوں نے اپنے حصے کا مطالبہ بھی کیا اور اپنی تحریر بھی واپس مانگی۔ جابر کے علم میں یہ باتیں تھیں۔ اس نے جج صدیق احمد کے بہترین خوب صورت شیرازی پاموز کبوتر کے جوڑے میں سے ایک کبوتر چرا کر اور اسے زہریلا چھلا پہنا کر نواب زادہ کے برآمدے میں چھوڑ دیا۔ نواب زادہ کبوتروں کے رسیا تھے۔ مگر وہ کبوتر اٹھاتے ہی چھلا منہ سے لگا اور زہر سرایت کرنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت کنور ظفر علی خاں ان کے پاس آئے۔ نواب زادہ کو مردہ دیکھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی تحریر پھاڑی اور بھاگ گئے۔ جابر کا آدمی ان کی اس حالت کی تصویر حاصل کر چکا تھا۔ غالباً لیفٹیننٹ باقر کی طرف سے دائر کردہ مقدمہ میں ان کے خلاف یہی ثبوت پیش کیا جاتا۔

کنور ظفر علی بے گناہ ہیں۔ غصہ اور جھنجھلاہٹ کی اس تحریر پر انہیں پشیمانی بھی تھی اور انہوں نے نواب زادہ کے نام ایک معذرت نامہ بھی لکھا تھا، جو مسل میں شامل ہے۔"

اتنا بیان پڑھ کر فریدی رکا..... سامعین پر بالکل خاموشی طاری تھی۔ سعیدہ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد فریدی نے اپنا بیان پھر شروع کیا۔

"جابر نے ظفر..... نواب رشید الزماں وغیرہ کو میرے خلاف کرنے اور میرے راستے

میں روڑا اٹکانے کے لئے میرا بھیس بدل کر ان کے گھر پر ڈاکہ ڈالا اور ان کے گھر سے ان کی کتاب (جو در اصل نواب زادہ شاکر کی ملکیت تھی) لے اڑا۔ ادھر نواب زادہ شاکر کی لائبریری میں اتفاقاً میرے ہاتھ وہ کتابیں لگیں جن کی جابر کو تلاش تھی۔ لیفٹیننٹ باقر کا قصہ سننے کے بعد ہی میرا ماتھا ٹھنکا تھا۔ بمبئی کے مشہور سیٹھوں کے یہاں جواہرات کی چوری کے اطلاع نامے بھی میرے پاس تھے۔ لائبریری ہی میں مجھے وہ پرچہ ملا جس میں نواب زادہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے کچھ حالات تھے۔ لیفٹیننٹ باقر اور جابر کا ایک ہی دن بمبئی جانا مجھے اور کھٹکا۔ جابر کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں اس کا پیچھا ضرور کروں گا۔ اس نے میرے روکنے کے تمام انتظامات کئے۔ مگر وہ ناکام رہا۔ لیکن حالات نے ہمارا ساتھ نہ دیا۔ میں اتفاق کے ہاتھوں ریلوے کی انتظامی کاروائی یعنی ڈبہ کٹ جانے کی وجہ سے اس کا پیچھا نہ کر سکا اور حمید کو اس کی ایک پھونے چرکا دیا۔

بمبئی سے واپسی پر وہ شاکر کے سوتیلے بھائی کے مفصل حالات معلوم کر چکا تھا۔ ان کی ایک تصویر اور قدیم خاندانی حالات حاصل کر کے وہ یہاں آیا۔ فرضی ثبوت اور دلائل...... خاندان میں سعیدہ کے علاوہ اور کسی رشتہ دار کا عدم وجود اس کو کامیاب بنا گیا۔

اس نے اپنے آپ کو سچ مچ باقر ثابت کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلے۔ افسران کی دعوتیں کر کے اس نے انہیں یہ بھی موقع نہ دیا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ سوچ سکیں۔ سعیدہ کے نام جائیداد ہبہ کر کے اس نے اس کا بھی منہ بند کر دیا۔

اپنے ساتھ لائے ہوئے ایک بیکار نوجوان کو اپنا لڑکا مشہور کر کے اور پھر خود ہی اسے سگریٹ میں زہر دے کر اور اس کی موت پر فرضی آنسو بہا کر اس نے سب کا دماغ ماؤف کر دیا۔ کسی شخص کا خیال بھی اس طرف نہ جا سکا لیکن کنور ظفر علی خاں مجھ سے بھی اور اس سے بھی دونوں سے مشکوک تھے۔ آگ لگنے سے پہلے وہ نواب زادہ شاکر کے مکان کے پچھلے حصے کی طرف گئے۔ کئی روز پیشتر انہوں نے کچھ لوگوں کو مشکوک حالتوں میں ادھر گھومتے دیکھا تھا۔ یہی کرید انہیں اس طرف لے گئی۔ اس وقت آگ لگی...... وہ بھاگے جابر کے آدمی نے گولی چلائی اور وہ زخمی ہو گئے۔ یہ غلط ہے کہ وہ پولیس کی گولی سے زخمی ہوئے۔ ہسپتال میں آپریشن کے بعد نکالی گئی گولی اس کا ثبوت ہے۔

مجھے اسی وقت شبہ ہوا تھا اور اسی لئے میں نے نواب رشید الزماں وغیرہ کو ماتھر صاحب کے گھر جانے کی ہدایت کی تھی۔ یہ لوگ گئے مگر لوٹ آئے۔

مجھے اپنے ہوٹل کے کمرے میں گذشتہ روز کی آگ اور قتل کے واقعات سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ میرے اوپر بھی حملہ ہو گا۔ اس درمیان میں طارق کے ذریعہ مجھے اطلاع ملی کہ لیفٹیننٹ باقر مجھ سے تنہائی میں باتیں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے احتیاطاً وہ دونوں کتابیں جن کی جابر کو تلاش تھی محفوظ کر دیں اور خود باقر کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان کے جانے کے بعد ہی مجھے لائبریری میں جابر اور نواب زادہ شاکر کے خطوط ملے۔ مجھے ایسے کاغذات بھی ملے جن کی بناء پر جابر باقر بنا پھرتا تھا۔ میں نے اس کی وہ کتاب بھی دیکھی تھی جو وہ انسانی اعضاء کی ساخت پر لکھ رہا تھا۔ اس کی تحریر کی تازگی یہ بتا رہی تھی کہ یہ ابھی لکھا گیا ہے۔

دوسری طرف میرے ذہن میں جابر کی تحریر بھی تھی۔ چنانچہ مجھے یقین ہو گیا کہ جابر اور باقر ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ جابر کی اسی وقت آمد اور مجھے تہہ خانے میں قید کرنا اور میرے لئے یقین کا باعث بن گیا۔

مجھے قید کرنے کے بعد اس نے میرا بھیس بدل کر ایک طرف مجھے مرعوب کر کے کتابیں حاصل کرنا چاہیں دوسری طرف حمید کو قید کر کے ایک کانٹا راہ سے ہٹایا۔ تیسری طرف نواب صاحب وغیرہ سے زبردستی تحریر لکھوا کر ان سے روپیہ بھی اینٹھا اور انہیں میرا دشمن بھی بنا دیا۔"

بیان کی طوالت کے باوجود ہر شخص ہمہ تن گوش تھا۔ فریدی پھر رکا اور حمید کی طرف مسکراتے ہوئے اس نے اپنا بیان شروع کیا۔

میں کس طرح چھوٹا...... یہ محض اتفاق تھا۔ جابر نے مجھے چوبیس گھنٹے کی مہلت دی تھی۔ ۱۸ گھنٹے گذرنے کے بعد شام کو جابر کا نوکر جب تہہ خانے میں لیمپ رکھنے آیا تو بجلی کی طرح میرے ذہن میں ایک خیال گونجا۔ میں نے ملازم کے جاتے ہی اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں سے لیمپ توڑ ڈالا اور لیمپ کی بتی کی آگ سے اپنے ہاتھ میں بندھی ہوئی رسی کو جلاتا رہا۔ ہاتھ کھلنے کے بعد میں آزاد تھا۔ دوسرے ہی کمرے میں حمید بند تھا اور اسے چھڑانے کے بعد میں نکلا۔ حمید نے جابر کی گفتگو سنی تھی اور اس کا خیال تھا کہ وہ کلکتہ جائے گا۔ اس لئے کہ کچھ سرکاری تجارتی تمسکات

کی ہنڈیاں اس کے ہاتھ لگ گئی تھیں جنہیں وہ جنیوا میں بھنانا چاہتا تھا۔ سعیدہ کے بیان نے اس کی تصدیق کر دی اور ہمیں کلکتہ اور پھر کلکتہ سے بحری سفر کے ذریعہ جابر کو گرفتار کرنا پڑا۔ میرا بیان ختم ہو رہا ہے لیکن اب چیز تشنۂ تکمیل رہ جاتی ہے اور وہ ہے کیمیا کا نسخہ...... جابر اس کی تلاش میں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اسے حاصل کر سکا یا نہیں۔ بہر حال مجھے وہ نہ مل سکا۔"

فریدی بیٹھ گیا۔ کمرہ عدالت میں سناٹا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طوفان اپنی ہیبت ناک آواز کے بعد ٹھہر گیا ہو کہ اچانک زنجیریں کھڑکھڑائیں اور جابر نے اشارہ کیا۔ جج صاحب کے حکم پر اس کا منہ کھول دیا گیا۔ اس نے کہا۔

"میرے بارے میں فریدی صاحب نے جو بیان دیا ہے وہ حرف بحرف صحیح ہے۔ میری سوانح عمری جس مشکل سے جرمن زبان میں لکھے ہوئے خطوط سے انہوں نے مرتب کی ہے وہ لائق تعریف ہے۔ مجھے اپنے جرائم کا اقبال ہے لیکن میری داستان ابھی تشنۂ تکمیل ہے۔ میری ایک آرزو ہے کہ میرے ہاتھ کھول دیے جائیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا...... بلکہ ایک چھپے ہوئے راز کا انکشاف بھی ہو جائے گا۔ فریدی صاحب جانتے ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

لوگوں میں کھسر پھسر اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ اتنے میں جج صاحب کے حکم سے چار سپاہیوں کے علاوہ مزید دو سپاہی سنگینیں لے کر اس کے گرد کھڑے ہو گئے۔ حمید کا ہاتھ اپنے پستول پر جا لگا اور جابر کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں۔

اس نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"فریدی صاحب! کیمیا کا نسخہ اور آپ کی دانست میں محفوظ جگہ پر رکھی ہوئی کتابیں میں نے حاصل کر لی تھیں۔ کتابیں سمندر میں ڈوب گئیں لیکن نسخہ میرے پاس ہے۔ میں جو چاہتا ہوں اُسے حاصل کر لیتا ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے اپنے چہرے سے مصنوعی ناک اٹھائی۔

دہشت اور خوف سے غزالہ اور سعیدہ کی چیخیں نکل گئیں۔ بھیانک چہرہ اور بھیانک ہو گیا تھا۔

جابر نے قہقہہ لگایا۔ اپنی ناک کے اندر سے اس نے کاغذ کی پڑیا نکالی۔ "یہ ہے وہ نسخہ فریدی صاحب...... میں اعضاء جسمانی کی ساخت کا ماہر ہوں۔ یہ ناک بڑی کار آمد ہے۔" فریدی نسخہ

لینے کے لئے آگے بڑھا۔

"مگر ٹھہر یئے...... اس میں زہر ہے...... سونا حاصل کرنے کی کوشش کا نتیجہ زہر ہی ہوا ہے۔ کہتے ہوئے اس نے وہ پڑیا منہ کے اندر رکھ لی...... آدھا سیکنڈ بھی نہ گذرا تھا کہ وہ تیورا کر گرا اور ناک اس کے ہاتھ سے فوراً چھوٹ گئی۔"

تھوڑی دیر کا ہنگامہ سکوت میں بدل گیا۔ جابر کی لاش سے شدت کی بو پھیل رہی تھی اور عجیب طرح کا نیلا پانی اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔

کمرے میں گہرا سناٹا ہلکورے لے رہا تھا۔

ختم شد

دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

"آخر آپ کو یک بیک رام گڈھ کی کیوں سوجھی۔" حمید بولا۔

"جابر......!"

"اوہ...... تو آپ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔"

"میں قسم کھا چکا ہوں۔"

"کیا آپ کو اس کی موجودگی کی کوئی باقاعدہ اطلاع ملی ہے۔"

"نہیں......!"

"یعنی......!"

"یہاں کچھ واقعات ایسے ہوئے ہیں جن کی بناء پر میں سوچنے پر مجبور ہوا ہوں۔"

"میرے خیال سے یہ ضروری نہیں کہ ان کا تعلق جابر ہی سے ہو۔" حمید بولا۔

"یہ تم محض اس لئے کہہ رہے ہو کہ اس کے طریقوں سے واقف نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیا تم نے آج تک کسی کبوتر کے پنجوں کے زہریلے ہونے کے متعلق بھی سنا ہے۔"

"نہیں......!"

"اگر کسی شخص کی موت کبوتر کے ناخن لگنے کی وجہ سے ہو جائے تو تم اُسے کیا کہو گے۔"

"ایک حیرت انگیز واقعہ اور ناقابل یقین بھی۔"

"اتنا ہی ناقابل یقین جتنا زہر خورانی کے کیس کا مرگی کے عارضے میں تبدیل ہو جانا۔"

"اوہ......!"

"رام گڈھ کے نوجوان کبوتر باز رئیس کی موت اس طرح واقع ہوئی۔ وہ ایک کبوتر پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاقاً کبوتر کا پنجہ لگ گیا اور ایک گھنٹے کے اندر وہ مر گیا۔ بعد میں کبوتر کے پنجوں کا معائنہ کرنے پر پتہ چلا کہ اس کے ایک ناخن پر کسی دھات کا ایک ہلکا سا خول چڑھا ہوا تھا۔ بہر حال بادی النظر میں وہ ناخن ہی معلوم ہوتا تھا اور وہ خول زہریلا تھا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کسی معمولی آدمی کا کام ہے، جابر زہروں کا ماہر ہے۔"

"خیر یہ بھی سہی۔" حمید بولا۔ "لیکن آپ اُسے کہاں کہاں ڈھونڈتے پھریں گے۔ ممکن ہے کہ وہ آپ کی آمد کی اطلاع سن کر کہیں اور چلا جائے۔"

"دیکھا جائے گا۔"

"ہم ٹھہریں گے کہاں۔"

"دلکشا میں.......!"

"یہ کیا ہے۔"

"ایک عمارت کا نام......بڑی پر فضا جگہ پر آباد ہے۔"

"اچھا اس کبوتر والے معاملے کو کتنا عرصہ ہوا۔"

"تقریباً ایک ہفتہ۔"

"ایسے عجیب و غریب حادثے کے متعلق تو اخبارات میں بھی آنا چاہئے تھا۔"

"ہاں اس بات کی تشہیر نہیں کی گئی۔ واقعہ دراصل یہ ہے کہ مرنے والے میں وہ ساری علامات موجود تھیں جو زہر کھالینے پر ظاہر ہوتی ہیں۔اس لئے لوگوں نے یہی سمجھا کہ اُسے کسی نے زہر کھلایا ہے۔ رام گڈھ کے ایس۔ پی نے تحقیقات کے دوران میں پتہ لگایا کہ اس نے مرنے سے ایک گھنٹہ قبل کوئی کبوتر پکڑا تھا۔ اس نے یونہی بلا مقصد کبوتر کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس وقت وہ اُسے ہاتھ میں اٹھائے دیکھ رہا تھا اس نے پنجے چلانے شروع کر دیئے۔ اتفاق سے اس کا ایک ناخن ایس پی کے کوٹ کے بٹن میں پھنس گیا۔ اس نے جھٹکے کے ساتھ اُسے نکالنے کی کوشش کی......ناخن تو نکل آیا لیکن اس پر چڑھا ہوا خول کوٹ ہی میں اٹکا رہ گیا۔ یہ ایک تعجب خیز چیز تھی۔ اس نے خول نکال کر احتیاط سے رکھ لیا اور کبوتر کو بھی اپنے ہمراہ لیتا آیا۔ اس نے تجربے کے لئے اس نوکیلے خول کو ایک بلی کے چبھو کر دیکھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہ بلی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ معاملہ حد درجہ پیچیدہ ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے اس کا تذکرہ اپنی رپورٹ میں نہیں کیا۔ پہلے تو وہ خود ہی پوشیدہ طور پر کبوتر کے متعلق چھان بین کرتا رہا لیکن جب کامیابی نہ ہوئی تو اس نے مجھے لکھا۔ وہ میرا کلاس فیلو رہ چکا ہے۔ اسی لئے میں اس کی درخواست کو رد نہ کر سکا۔"

"تو آپ نے اس کا تذکرہ مجھ سے کیوں نہیں کیا۔" حمید بولا۔

"اگر میں پہلے سے اس کا تذکرہ کر دیتا تو تم یہاں آنے کے لئے کبھی چھٹی نہ لیتے۔"

"تو اس کا یہ مطلب کہ آپ مجھے دھوکا دے کر یہاں لائے ہیں۔"

"یہی سمجھ لو.......!"